دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا دینی و علمی ماہنامہ

سرپرست:

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب

جلد : ۳	شمارہ : ۹

ربیع الاول ۱۳۸۸ھ جون ۱۹۶۸ء

مدیر

سمیع الحق

والقلم وما یسطرون ـــــ قسم ہے قلم کی اور ان کے لکھنے کی۔

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان
سالانہ چھ روپے	سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے
فی پرچہ ۵۶ پیسے	فی پرچہ ۶۲ پیسے

غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

صفر کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کی عظیم الشان
کانفرنس ہوئی۔ ملک بھر کے ممتاز علماء کی شمولیت، دینی و
ملکی معاملات کے گوشہ گوشہ پر جامع اور ہمہ گیر انداز میں مخلصانہ سوچ و بچار، دینی احساسات اور جذبات
کا نہایت پرامن اور باوقار طریقہ سے مظاہرہ اور نظم ونسق کے لحاظ سے بجا طور پر یہ اجتماع ایک
مثالی اجتماع تھا، مجموعی طور پر اس اجتماع سے خوابیدہ جذبات بیدار، حوصلے بلند، ولولے تازہ
ہو گئے اور یاس و قنوط کے بادل چھٹ گئے دینی افق پر آوازۂ حق کا یہ آفتاب و ماہتاب جس
شان بان سے طلوع ہوا اسکی چکاچوند سے اہل ہویٰ والحاد کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دینی
زوال و اندراس کا خواب دیکھنے والے حواس باختہ ہو گئے۔ اور اسلامی تاریخ کی یہ روشن حقیقت
ایک بار پھر آشکارا ہو گئی کہ ارباب عزیمت اور حق پرست علماء کے پایۂ ثبات کو نازک سے
نازک حالات بھی جادۂ حق سے نہیں ڈگمگا سکتے اور نہ حالات کی نامساعدت انہیں فریضۂ
اعلائے حق کی ادائیگی سے روک سکتی ہے۔ علماء حق اُن اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے
ہر دور میں اسلام کا نشان بلند و بالا رکھا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے علوم و افکار کی
ترجمان۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قربانیوں کی امین مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا
رشید احمد گنگوہی کے عزم اور ولولۂ جہاد کی محافظ اور شیخ الہند محمود الحسن، بطل جلیل شیخ الاسلام
حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، شیخ الاسلام
مولانا شبیر احمد عثمانی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد علی
جوہر کی وراثت اور عظمتوں کی حامل جماعت بھی اگر دین کی حفاظت و اشاعت، اور حریم اسلام کی
حراست و مدافعت میں غفلت برتنے لگے تو چمنستان دعوت و عزیمت کی رونق اور بہار کیسے
قائم رہے؟ جبکہ حسب بشارات نبویہ قیامت تک دعوت و عزیمت کے اس گلشن محمدی
کو سدا بہار اور سرسبز و شاداب رہنا ہے ـــ لاتزال من امتی امۃٌ قائمۃٌ بامر اللہ لایضرھم
من خذلھم ولا من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ وھم علی ذلک۔ میری امت میں سے ایک جماعت
ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ملامت اور مخالفت کرنے والوں سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہاں
تک کہ قیامت آجائے اور یہ لوگ اسی حالت میں ہوں ـــ اس رواں دواں اور سدا جوان

دین کی حفاظت واشاعت کیلئے ہر کٹھن گھڑی میں خدائے حی وقیوم نے بصیرت صدیقی، حمیت فاروقی
تحملِ عثمانی، اور فراستِ حیدری سے سرشار اربابِ عزیمت، ائمہ رشد وہدایت اور وارثانِ علوم
نبوت علماء حق کی دستگیری فرماکر انہیں توفیق دی ہے کہ بقول مخبر صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم
ان کا شیوۂ حیات اور مقصدِ زندگانی یہی رہ گیا ہے کہ ینفون عنہ (دین اللہ) تحریف الغالین
وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین - اہل بدعت کی احداث وتحریف اور اہل باطل واصحاب جہل
کی تاویل وتلبیس سے دینِ خداوندی کی مدافعت کریں ——— ہم علماء کرام کے ان روح پرور مظاہراتِ
دعوت وعزیمت پر خداوند قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں اور دعا ہے کہ خداوند قدوس اس اجتماع
کے اثرات کو دیرپا بناکر ان مساعی کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ملک وملت کی حقیقی فلاح وسرخروئی
کا ذریعہ بنادے اور اہلِ حق کو مزید جوش، ولولہ اور پائدار جدوجہد، نظم وضبط اور بہترین صلاحیتوں
سے نوازے ———

★

مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق لکھنؤ کے ایک تازہ گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ کراچی
کے ایک اردو ماہنامہ ساقی نے پچھلے بعض شماروں میں خلفاء ثلثہ سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم
کے بارہ میں ایک انتہائی شرانگیز مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون کی دلآزاری کا یہ عالم ہے۔ کہ بعض
منصف مزاج شیعہ حضرات بھی اس سے بیزاری ظاہر کرچکے ہیں۔ مضمون میں ان جلیل القدر صحابہؓ کی
عظمت وتقدس کو جس بیدردی سے مجروح کرنے کی سعی کی گئی ہے، اس پر جتنا بھی اظہارِ نفرت ہوسکے
کم ہے۔ مولانا دریابادی صاحب نے یہاں کی دینی صحافت سے اس مضمون کا محاسبہ نہ کرنے پر
دینی بے حسی کا شکوہ فرمایا ہے۔ جہاں تک الحق کا تعلق ہے، دینی اقدار کی حرمت اور ائمہؒ سلف کی
عظمت وتقدیس اور حریم اسلام کی حفاظت میں خداوند قدوس کے فضل وکرم سے وہ ہرگز کسی
مصلحت کوشی اور رعایت، مداہنت کا روادار نہیں اور نہ کسی قسم کا خوف ولالچ اسے کلمۂ حق
کہنے سے باز رکھ سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ساقی کے اس مضمون کا معاملہ ہے نہ تو ہماری نظر
سے اب تک یہ پرچہ گذرا ہے اور نہ اس کا یہ قابلِ نفرین مضمون - غالباً یہی حال دیگر دینی پرچوں کا بھی
ہے۔ ساقی کے اس مضمون پر حقِ تنقید محفوظ رکھتے ہوئے ہم اتنا عرض کریں گے کہ ملک کے سواد اعظم
اور عالمِ اسلام کی اکثریت کے احساسات کو پامال کرکے اس قسم کے مضامین اور کتابوں سے سوائے
انتشار وافتراق اور عاقبت کی بربادی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکے گا جس جماعت کی تعدیل خدا

اور اس کے رسول نے فرمائی ہو کسی بد باطن اور کج فہم کی بہتان تراشیوں سے اسکی شان نہیں گھٹ سکتی اور نہ اس جماعت کو کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے بعد کسی اور تزکیہ کی ضرورت ہے۔

★

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پریس نوٹوں اور آرڈیننسوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سرراہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں مگر کسی قسم کا حرفِ شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں، انبیاء اور صلحائے امت کے بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کنجریوں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کرکے مٹائیں، اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی "ملت اور امت" کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدسؐ کی احادیث سے انکار کی بر ملا دعوت دیں حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا (خاکم بدہن) مذاق اڑائیں، اطاعتِ خدا ورسول کو من مانی معنی پہنائیں انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وحی، نبوت، جبرئیل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسیح کو افسانہ سمجھیں، شراب، جوا، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی مقدار میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں، انہیں تو بلا خوفِ احتساب یہ حق ہو کہ مسلمانوں کے مسلمہ بزرگوں صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں مگر نہ تو لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک وملت کو انتشار وافتراق کا خطرہ لاحق ہو کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سوادِ اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات اور واقعات نے یہ صورت اختیار کرلی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہوگا جنہوں نے اپنے دین وشریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت وترویج اور باطل کی سرکوبی ہی کیلئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دیکر یہ ملک حاصل کیا اگر ان کے دین اور اعتقاد کو

کسی غیر مسلم "غالب اقلیت" کے رحم و کرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سکولر سٹیٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے ـــــ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کیلئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اسکی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو، ایسی صورتحال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہو جانا بصیرت اور تدبر کی موت ناعاقبت اندیشی کا بیّن ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیر خواہی، دینی ذمہ داری اور اپنے اساسی نظریات سے وفاداری کی بناء پر اس المناک صورتحال کا مخلصانہ جائزہ لیتے رہیں ـــــ

★

صحیح بخاری میں شقیق بن سلمہ سے روایت ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بین یدی الساعۃ ایاماً ینزل فیھا الجھل ویرفع فیھا العلم ویکثر فیھا القتل۔ قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے کہ جہالت عام ہو جائے گی علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور ہرج یعنی قتل بڑھ جائے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے زمانہ کا جائزہ لو دیگر پیشنگوئیوں کیطرح اس بات میں بھی مخبر صادقؐ کی صداقت کفلق الصبح (پو پھٹنے کیطرح) روشن ہو کر ثابت ہو رہی ہے۔ کسی ایک اخبار کو اٹھا کر دیکھئے اس کا دو تہائی حصہ، اغوا، قتل، جھگڑا، فساد، آبروریزی، اور اقدام قتل سے متعلق خبروں پر مشتمل ہوگا۔ اور اگر اتنی فرصت بھی نہ ہو تو صوبائی اسمبلی کے پارلیمانی سیکرٹری برائے محکمۂ داخلہ کے ان تازہ اعداد کو پڑھ لیجئے جو انہوں نے وقفہ سوالات کے دوران بتلائے انہوں نے کہا کہ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء کے مختصر عرصہ میں صرف مغربی پاکستان میں سولہ ہزار قتل ہوئے بالفاظ دیگر اس مدت میں ۳۲ ہزار خاندان ہمیشہ کیلئے تباہ ایک لاکھ بچے یتیم کئی ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ ہزاروں والدین کی آنکھوں کی روشنی چھن گئی اور ہزاروں بچوں کی تعلیم اور معاش کا سلسلہ منقطع ہو گیا یہ تو صرف وہ قتل ہیں جو حکومت کے علم میں آئے اور ان پر باقاعدہ مقدمات قائم ہوئے۔ اس طرح ارشاد نبوی کے پہلے حصہ زوال علم اور کثرت جہل کو دیکھئے تو کیا اس سے قبل بھی کہیں ایسا

موقع آیا تھا۔؟ کہ علماء حق کا مصرف پولٹری فارم، سکواش یا مربہ جات کے کارخانے سنبھالنا رہ گیا ہو اور علم و تحقیق کی باگ ایسے ہاتھوں میں دی گئی ہو جن کا باطن تو کیا ظاہری اطوار و عادات بھی علم کے لئے ننگ و عار کی حیثیت رکھتے ہوں ـــــ

★

۱۵ مئی کو صوبائی وزیر آبکاری نے صوبائی اسمبلی کو بتایا کہ پچھلے ایک سال میں مغربی پاکستان کے بڑے ہوٹلوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پچھتر ہزار نو سو اکتیس گیلن شراب استعمال کی گئی وزیر آبکاری نے فرمایا کہ صرف لاہور کے سات ہوٹلوں میں ہر ماہ اوسطاً اٹھارہ سو بچانوے گیلن شراب استعمال ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی، حیدر آباد، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ کے چالیس ہوٹلوں کو شراب استعمال کرنے کے پرمٹ دئیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ بعض طبی وجوہات کے سوا تمام مسلمانوں پر شراب نوشی پر پہلے ہی پابندی ہے۔ یہ اعداد و شمار ایک اسلامی جمہوریہ کہلانے والی سرزمین کے ہیں۔ کسی اور جرائم اور فواحش کے نہیں بلکہ خرابیوں کی جڑ شراب جیسی امّ الخبائث کی افراط اور فراوانی کا یہ عالم ہے۔ پھر یہ تو صرف چند ہوٹلوں کی ایک جھلک ہے۔ کلبوں، کاک ٹیل پارٹیوں، تفریحی تقریبات نجی محفلوں اور عوامی خلوتوں اور جلوتوں کا اندازہ خود لگائیے اور پھر جب نتیجہ میں ملک میں لاقانونیت، غنڈہ گردی اور بدامنی کا دور دورہ ہو تو "غنڈہ آرڈیننس" کے دامنِ فریب میں پناہ ڈھونڈئیے۔ یاد رکھئے جب تک فساد اور خرابی کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو اتنی فیاضی سے سیراب کیا جائے گا۔ خاردار شاخوں کی تراش خراش سے اصلاح نہیں بلکہ اس کے برگ و بار میں اور بھی ترقی ہوگی ـــ اس خبر کا یہ پہلو بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر مذکورہ اعداد کے مطابق شراب پینے والے سب کے سب مریض ہیں یا پھر سب کے سب غیر مسلم تو پھر اس ملک میں مسلمان اور صحت مند انسان کا وجود کہاں سے ملے گا۔ اس کے علاوہ آخر وہ کونسا مرض ہے جس کا علاج اسلام شراب جیسی ام الخبائث چیز سے کرانا چاہتا ہے۔ جو بجائے خود ایک مہلک بیماری ہے۔ اور پھر یہ پرمٹ اور لائسنس کس بلا کا نام ہے؟ اپنے مشاہدہ میں تو پی آئی اے کی ایک تازہ مثال ہے کہ موت کے سایہ میں خوفِ آخرت سے عاری "مسلمان" جام پہ جام لنڈھاتے رہے ہوائی نازنینوں کو کسی پرمٹ کا نہیں بلکہ ایک اشارۂ ابرو کا انتظار رہا اور پھر ان مسلمانوں کے مرد بننے کیلئے یہی کافی تھا کہ غیر ملکی مسافروں کے نام پر استعمال ہونیوالی یہ شراب کسی بھی غیر مسلم نے طلب نہیں کی بلکہ یہ لوگ تو ان حریصانہ اور للچائی طبیعت والے ہوسِ مے نوشی میں مدہوش کالے مسلمان شراب خوروں" کو طنز و استہزاء کی نظروں سے دیکھتے رہے۔

سمیع الحق
یکم ربیع الاول ۱۳۸۸ھ

اثر خامہ حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ،
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

اعجازِ قرآنی

حضرت علامہ افغانی مدظلہ کے دیگر نگارشات کیطرح قرآنی علوم و معارف پر حضرت مدظلہ، کے ایک نہایت بلند پایہ اور فاضلانہ سلسلۂ مضامین کی اشاعت کا فخر الحق کو حاصل ہو رہا ہے۔ پیشِ نظر قسط میں حضرت علامہ نے قرآن کریم کے اعجاز سے بحث فرمائی ہے۔ اگلی قسط میں تعلیماتِ قرآن میں سے وہ اصولِ قرآنی زیر بحث آئیں گے جن پر امنِ عالم کا مدار ہے۔ الحق کو اپنے گرانمایہ علوم و معارف سے نوازنے پر پورا ادارہ ان کا ممنون ہے۔ متّع اللہ المسلمین بفیوضہم وجعلہ خیر ذخیر للاسلام والمسلمین۔ (س)

★

بلاغی اعجاز | قرآن کے متعلق ہم مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ "وہ کلامِ الٰہی ہے کسی انسان کا کلام نہیں" عقل کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ الفاظ و تعبیراتِ قرآن کے لحاظ سے بھی اور تعلیماتِ قرآن کے لحاظ سے بھی، الفاظ اور تعبیرات کے پیشِ نظر یہ ہے کہ کسی کلام کے متعلق یہ فیصلہ کہ یہ خدا کا کلام ہے یا انسان کا مصنوعات کے معیار پہ کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں دو قسم کے مصنوعات ہیں۔ الٰہی مصنوعات جیسے آفتاب و ماہتاب اور انسانی مصنوعات جیسے موٹر سائیکل وغیرہ۔ ان دونوں میں فرق اور امتیاز کا جو معیار ہے وہی خدا اور انسان کے کلام میں فرق کرنے کا بھی معیار ہے اور وہ معیار یہ ہے کہ خدائی مصنوعات وہ ہیں جو انسانی قدرت اور دسترس سے خارج ہوں۔ اور انسانی مصنوعات وہ ہیں جو انسانی قدرت اور دسترس میں داخل ہوں۔ آفتاب اور ماہتاب کو ہم خدا اور خالقِ کائنات کی طرف منسوب کرتے ہیں، نہ انسان کی طرف۔ اس لئے کہ آج تک کسی انسان نے کسی کارخانہ میں سورج اور چاند نہیں بنایا اور نہ بنا سکتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کیطرف منسوب ہیں۔ لیکن موٹر وغیرہ مصنوعات کو انسان بناتا ہے۔ اور انسانی کارخانوں میں بن کر بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح انسانی کلام اور تصنیفات انسانی قدرت میں داخل ہیں۔ اور انسان ان کو بناتا رہتا ہے۔ لیکن کلامِ الٰہی

یعنی قرآن چودہ سو سال کے چیلنج کے باوجود کسی انسان سے اسکا کل حصہ بلکہ چند آیات تک نہ کسی سے بن پڑا اور نہ ہی بن سکتا ہے۔ حالانکہ انسان کے پاس اس کے بنانے کے وہ سب اسباب موجود تھے، اور ہیں جو ایک چیز کے بنا دینے کیلئے ضروری ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مادہ ترکیبیہ ـــــ یعنی وہ چیز جس سے قرآن کی آیات مرکب ہیں۔ وہ عربی زبان کے وہ اٹھائیس حروف ہیں جن کے جوڑ سے قرآنی آیات نے ترکیب پائی ہے۔ مثلاً الفَ باَ تاَ وغیرہ یہ ایسا ہے جیسے میز بنانے والے کیلئے لکڑی کہ میز کے بنانے کیلئے لکڑی کا وجود ضروری ہے، بغیر اس کے میز نہیں بنائی جا سکتی۔ اسی طرح قرآن کو حروف ہجائیہ عربیہ کے مادہ کے بغیر نہیں بنایا جا سکتا، یہی مادہ اور حروف تمام عرب کے پاس موجود تھے جن سے وہ اپنا کلام بناتے تھے۔

۲۔ نمونہ ـــــ درزی کے پاس اگر کپڑا موجود ہو جو اچکن اور شروانی بنانے کا مادہ ہے، تب بھی وہ ایک خاص قسم کی اچکن اسوقت تک نہیں بنا سکتا جب تک اس کے پاس اس اچکن کا نمونہ موجود نہ ہو۔ یہی نمونہ بھی عرب کے پاس موجود تھا کہ حضور علیہ السلام نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا کہ اسی نمونے کا کلام بنا دو۔

۳۔ تیسری چیز جو کسی چیز کے بنانے کیلئے ضروری ہے وہ مہارت ہے۔ اگر کسی درزی کے پاس کپڑا اور اچکن کا نمونہ بھی موجود ہو لیکن وہ فنِ خیاطت اور درزی کے کام میں مہارت نہ رکھتا ہو تو بھی اچکن نہیں بنا سکتا۔ لیکن فصحاء عرب کے پاس مہارتِ فنِ بلاغت موجود تھی اور انکو فصاحت اور بلاغت میں مہارتِ تامہ حاصل تھی دن رات ان کا یہی کام تھا اور سارے ملک میں ان کی شعر و شاعری کے چرچے تھے۔ برخلاف حضور علیہ السلام کہ وہ نہ کسی مشاعرے میں شریک ہوئے تھے نہ ان کا یہ مشغلہ تھا۔ نہ اس امر میں ان کے دیگر بلغاء و شعراء عرب کی کوئی خاص شہرت تھی۔

۴۔ چوتھی چیز محرک ـــــ ہر چیز کے بنانے کیلئے ایک باعث اور محرک کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ کہا جا سکے گا کہ ایک شخص ایک چیز کو بنا سکتا تھا۔ لیکن کوئی خاص باعث اور محرک بنانے کا موجود نہ تھا۔ اس لئے اس نے نہیں بنایا۔ جیسے ہم بہت کام کر سکتے ہیں، لیکن کسی محرک کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے، لیکن نزول قرآن کے وقت عرب کے پاس قرآن سازی کا محرک بلکہ عظیم محرک موجود تھا۔ وہ قرآن کے دعوئ اعجاز کو شکست دینا اور اپنے آبائی دین کو اسلام پر برتر ثابت کرنا تھا۔ نزولِ قرآن کے وقت عرب قرآن کا دشمن بن گیا اور قرآن کا توڑ اور اسکو شکست دینا ان کا اہم ترین مقصد تھا جو فاتو بسورۃ من مثلہ کے تحت وہ دو سطروں یا تین آیات کو بنا کر

حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن ان دشمنانِ قرآن نے فتح اور کامیابی کے اس آسان راستے کو چھوڑ کر قلم اور زبان ہلانے کی بجائے تلوار کی راہ اختیار کی جو کٹھن راہ تھی اور جس میں ان کو مال و جان کی قربانی دینی پڑتی تھی اور پھر بھی کامیابی یقینی نہ تھی کہ جنگ فتح ہوگی یا شکست ہوگی۔ لیکن تین آیات کے بنا دینے میں قرآن کے فیصلے کے مطابق گھر بیٹھے بیٹھے وہ قرآن پر فتح آسانی کے ساتھ حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی فطری بلاغت نے یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کا علمی مقابلہ ناممکن ہے۔ اور جنگی مقابلہ میں کامیابی کا امکان ہے۔ قرآن کا یہ چیلنج صرف اس زمانے سے مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک کیلئے ہے۔ اور اس زمانے میں بھی مصر و شام و عراق و لبنان کے بہت عیسائی ادیب جنکی مادری زبان عربی ہے۔ اور جو ادب و لغت کی بیشمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور قرآن اور اسلام دشمنی کیلئے وہ کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن ان کے باوجود قرآن کے چیلنج کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ اگرچہ چاند پر پہنچنے سے اپنے آپ کو عاجز نہیں سمجھتے۔ لیکن قرآن سازی میں اپنے کو عاجز پاتے ہیں۔ یہ قرآن کا وہ بلاغی اور تعبیراتی اعجاز ہے، جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

ڈاکٹر سیل مترجم قرآن کی شہادت | یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سیل ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا۔ یہ مستقل معجزہ ہے جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے سے بلند تر ہے" (تاریخ اسلام جلد اوّل عبدالقیوم ندوی ص ۳۲۷ و ص ۳۳۲)

اس تقریر کے بعد مسیحی دنیا کے وہ تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں جو وہ قرآن کے اعجاز پر پیش کرتے ہیں۔ جیسے پادری فنڈر و پادری اسکاٹ کا یہ کہنا کہ عرب ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی ضرورت نہ سمجھی، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسا کرنے کا باعث موجود نہ تھا۔ حالانکہ اتنا قوی باعث موجود تھا کہ قرآن کے توڑ کیلئے انہوں نے مال و جان کی عظیم الشان قربانی دی پھر اس قرآن سازی کی راہ کو کیوں چھوڑا۔؟ اس لئے چھوڑا کہ قدرتِ قرآن سازی نہ تھی۔ اگر کسی بیابان میں آدمی پیاس سے مر جائے تو یہ دلیل ہے، کہ پانی موجود نہ تھا۔ نہ یہ کہ پانی تو موجود تھا۔ لیکن اس نے پینے کی ضرورت نہ سمجھی۔

قانونی اعجاز | انسانی قانون خواہ اس کا بنانے والا فرد ہو یا جماعت (پارلیمنٹ) وہ تمام اقوام اور ملکوں میں اور مختلف زمانوں میں نہیں چل سکتا، بلکہ ملک قوم اور زمانے کی تبدیلی سے اس میں ترمیم اور رد و بدل یا تنسیخ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس قانون کا سرچشمہ

علم انسانی ہوتا ہے جسکا علم محدود ہے۔ اور تمام احوال وظروف پر اسکی نظر نہیں یہی وجہ ہے کہ تمام پارلیمنٹوں اور اسمبلیوں میں سابق قوانین کی ترمیم و تنسیخ کا ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کا قانون ظاہر کرنے والا صرف ایک فرد ہے یعنی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم، نہ کہ جماعت اور وہ بھی امی بلکہ اس کا پورا ملک امی اور کسی مدرسہ سکول کالج میں انہوں نے تعلیم نہیں پائی بلکہ پورے ملک عرب میں نہ کوئی مدرسہ موجود تھا نہ کتب خانہ اور یہی قانونِ قرآن فتوحات اسلامی کے بعد مراکش سے دیوارِ چین تک مختلف اقوام میں پھیلا اور زندگی کا لائحہ حیات رہا اور چودہ سو برس تک اس میں قطعاً ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بلکہ جدید دنیا کی پارلیمنٹوں نے اسی کے قانون کو بعض معاملات میں اپنے پرانے قانون کے برخلاف ملک میں نافذ کیا۔ ۱۔ مثلاً ۱۹۲۲ء تک انگلستان میں عورت کو حقوق ملکیت حاصل نہیں تھے۔ قرآن کی تعلیم کے اثر سے حقوق دلائے گئے۔ ۲۔ ۱۹۳۷ء میں قرآن کے اثر سے امریکہ نے حرمتِ شراب کا اعلان کیا اور اسکی مضرات کو مختلف کتابوں میں شائع کیا۔ اگرچہ جس عادت کو وہ بگاڑ چکا تھا اسکی وجہ سے عملاً امریکہ کو کامیابی نہیں۔ ۳۔ طلاق کو یورپ جرم سمجھتا تھا لیکن فطری ضرورتوں نے اسکو قرآن کے قانونِ فطرت پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے جسکا سرچشمہ خالقِ کائنات کا علم لامحدود ہے جو ہر قوم ہر ملک اور ہر زمانے کی ضرورتوں پر محیط ہے۔

ڈاکٹر سموئیل جانسن کی شہادت ۱۔ قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کیلئے موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ ان کو قبول کر لیتی ہیں وہ محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتے ہیں۔ ۲۔ گبن لکھتا ہے قرآن میں زندگی کے تمام شعبوں کے قوانین موجود ہیں۔ ۳۔ سر ڈائنڈ برگ لکھتا ہے۔ قرآن کے قوانین تاجدار سے ادنیٰ فرد پر حاوی ہیں۔ اور اس قدر معقول ہیں جسکی نظیر نہیں مل سکتی

۳۔ تاثیری اعجاز و باطنی انقلاب قرآن جس عالمی ماحول میں ظاہر ہوا اس سے زیادہ تاریک دور تاریخ بشری میں موجود نہ تھا۔ حقوق الٰہی کی پامالی کا یہ حال تھا کہ پوری دنیا تبکدہ بن گئی تھی، مظاہرِ قدرت کی پرستش سے کوئی جگہ خالی نہ تھی ہر قسم کی چیزوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ اگر پرستش نہیں ہوتی تھی تو صرف خالقِ کائنات کی۔ حقوقِ انسانی کی پامالی کا یہ حال تھا کہ ہر قوی انسان یا انسانوں کا گروہ ضعیف کو ہڑپ کرتا تھا اور وہ اس میں فخر محسوس کرتا تھا۔ پھر اس کتاب کا ظہور ہوا اور ایسے ملک میں ہوا جو تین براعظموں ایشیا، افریقہ، یورپ کا مرکزی مقام تھا، اس کتاب یعنی قرآن کی پشت پر

نہ کسی حکومت کی قوت تھی، نہ دولت اور ذرائع نشر و اشاعت کا سہارا اور نہ اس کتاب کو تبلیغ کیلئے کوئی آزاد میدان ملا اور نہ ایسا وقت ملا جس میں وہ بلا روک ٹوک اپنا اثر دوسروں تک پہنچاتا۔ قرآن اور عہد نبوت کا زمانہ تئیس سال ہے جس میں تیرہ سال کفار مکہ کے ظالمانہ دباؤ کے تحت قرآن دبا رہا۔ بعد ازاں ہجرت کے دس سال کے زمانہ میں سے آٹھ سال تک تا فتح مکہ قرآن کے ماننے والوں اور قرآن کے دشمنوں میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا، جس میں کم و بیش چھوٹی بڑی تقریباً چالیس لڑائیاں لڑی گئیں اور یہ سب لڑائیاں درحقیقت قرآن کے اثر کے سیلاب روکنے کیلئے لڑی گئیں۔ لڑائی اور جنگ ایک ایسا عمل ہے، جس کے انتقامی اثرات مدتوں تک قلوب میں باقی رہتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد حضور کے وصال تک تقریباً دو سال کا زمانہ ایسا ہے کہ جس میں قرآن کو اپنی اثر اندازی کیلئے آزاد میدان ہاتھ آیا لیکن وہ ایسی قوم میں جس کے قلوب قرآن کے خلاف مسلسل لڑائیوں کے زخم سے ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس دو سال کے تھوڑے عرصے اور غیر موافق ماحول میں قرآن نے عرب پر وہ اثر ڈالا کہ حجۃ الوداع میں صرف شرکاء حج کا ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کا ایسا مجمع قرآن نے تیار کیا کہ اگرچہ ظاہری صورت میں وہ انسان تھے۔ لیکن روح کی پاکیزگی اور عمل کے تقدس کے لحاظ سے وہ فرشتے تھے اور اسی قلیل عرصہ میں حضور کے وصال تک دس لاکھ مربع میل عرب کی سرزمین قرآن کے اثر سے توحید الٰہی اور اخلاق حمیدہ کے نور سے منور ہو گئی۔ کیا دنیا میں کسی کتاب کسی جماعت کسی حکومت کے متعلق یہ بتایا جا سکتا ہے کہ اس نے اس قدر عرصہ میں اتنا عظیم اصلاحی انقلاب پیدا کیا ہو جو اس امر کی دلیل ہے۔ کہ یہی کتاب اللہ کی ہے اور اللہ کی قوت کے مظہر ہونے کی وجہ سے یہ عظیم اصلاحی انقلاب رونما ہوا۔

ظاہری اور سیاسی انقلاب | عرب قبل القرآن اور عرب بعد القرآن کا موازنہ کیجئے ۔ قرآن سے قبل عرب تمام اقوام سے ضعیف اور پست تھے اور کوئی قوم ان کو شمار میں نہیں لاتی تھی لیکن قرآن کے بعد اس نے دنیا کی دو عظیم سلطنتوں (رومی اور ایرانی) سے ٹکر لی اور ایسی فتح حاصل کی کہ ان دو عظیم حکومتوں کے جن مقبوضات پر عربوں نے قبضہ کیا وہ صرف زمین پر قبضہ نہ تھا بلکہ دلوں پر بھی قبضہ تھا۔ انہوں نے ملک اور باشندگان ملک کے ان دونوں کو فتح کیا اور اب تک وہی فتح باقی ہے۔ اس فتح و سیاسی غلبہ کا سبب کیا تھا یا اس کا کوئی مادی سبب ہو گا یا غیبی و روحانی مادی سبب تو عرب کو حاصل نہ تھا بلکہ عرب کے فریق مقابل ایران و روم کو حاصل تھا کیونکہ سیاسی فتح

کے مادی اسباب تعداد لشکر، سامانِ جنگ، دولت، صنعت، راشن اور خوراک، جسمانی صحت ہیں۔ یہ سب امور ایران اور روم والوں کے پاس تھے اور عرب قلیل التعداد اور بے سروسامان، ضعیف الجسم تھے۔ پھر فتح ان کو نصیب ہوئی جو اس امر کی دلیل ہے۔ یہ فتح قرآن کا اثر تھا قرآن کی تعلیم نے انکی روحوں میں وہ قوت بھر دی تھی جو ان کے دشمنوں کے پاس نہ تھی۔ اور روحانی قوت ہی فیصلہ کن ہے۔ آلات حرب خود نہیں لڑتے انسانی جسم اسکو استعمال کرتا ہے اور جسم کو روح استعمال کرتی ہے۔ لہٰذا وہی قوت کا بنیادی سرچشمہ ہے جس کی وجہ سے ان کو غیبی اور روحانی قوت سے غلبہ حاصل ہوا۔۔۔ (باقی آئندہ)

حضورِ اقدسؐ اور آپؐ کی اُمّت

ختم نبوت — مقصدِ امّت — دین کا خلاصہ

یہ تقریر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے ۳، ۴ صفر ۱۳۸۸ھ کی درمیانی شب کو احمد نگر ضلع گوجرانوالہ کے ایک اجتماع میں ارشاد فرمائی جس میں خاص طور سے مسئلہ ختم نبوت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(ادارہ)

محترم بزرگو! دین کی خدمت اور دین کی تبلیغ کل امت کا فریضہ ہے۔ اس امت کی خوبی اور کمال یہی ہے جسے رب العزت نے اس آیت میں بیان فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

تم ایک بہتر امت ہو اور لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجے گئے ہو تاکہ بھلائیوں کا حکم کرو اور برائیوں سے روکو۔

امت کا معنیٰ | امت اس جماعت کا نام ہے جس کا کوئی مقصد ہو اور وہ مقصد سب کا مشترک اور ایک ہو پھر مقصد اگر اچھا ہوگا تو وہ امت بھی خیر اور بہتر ہوگی اور اگر مقصد حقیر ہو تو امت بھی ذلیل ہوگی اور جس جماعت کا کوئی مقصد نہ ہو یا ہر ایک کا الگ الگ اور اپنا اپنا نظریہ ہو وہ جماعت امت نہیں کہلاتی وہ انتشار ہے تو امت کے مفہوم میں اجتماع اور اتفاق فی المقصد موجود ہے لہذا دنیا کے اندر مسلمان جہاں بھی ہوں دنیا کے کسی گوشے، پہاڑوں جنگلوں اور دریاؤں میں ہوں سب کو خدا نے امت اور وہ بھی بہترین امت کے خطاب سے نوازا۔ تو امت کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کا ایک مقصد ہو۔

خیر امۃ ہونے کی وجہ | خیر امۃ کا تقاضا ہے کہ وہ مقصد بھی سب مقاصد سے بہتر ہو اللہ تعالیٰ

نے کنتم امۃ کی بجائے کنتم خیر امۃ فرمایا ہے۔ اب وہ مقصد کیا ہے، کیا کھانا پینا، مکان بنانا زمین میں اناج بونا، ہل جوتنا، کارخانے، ایٹم بم، جہاز اور ریل بنانا، سائنسی ترقیات میں کمال اور انہماک اگرچہ یہ سب امور جائز ہیں ناجائز نہیں مگر یہ چیزیں مقصد نہیں۔ مثلاً اکوڑہ خٹک سے میرا یہاں آپ حضرات سے ملنے کے لئے آنا ایک مقصد تھا، راستہ میں بہت سی چیزیں سامنے آتی رہیں اور اس سے فائدہ بھی ملا مگر وہ مقصد نہیں تھیں۔ اس لئے میں نے انہی کو اپنا مطمح نظر نہیں بنایا بلکہ مقصد تک پہنچ کر دم لیا تو کھانے پینے اور اس قسم کی دوسری چیزوں سے فائدہ اٹھاتے رہو مگر اسے مقصد نہ بناؤ اور اگر تم نے انہی چیزوں کو مقصد سمجھ لیا تو پھر تو امریکہ، روس چین جاپان اور جرمنی بڑا کامیاب ہے اس لئے کہ اس مقصد، دنیا کے جاہ و جلال میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہے تو پھر وہ کیوں خیر امۃ نہ ٹھہرے اور اس خطاب کا شرف ہمیں کیوں حاصل ہوا۔؟ تو معلوم ہوا کہ دنیا کا حصول ہمارا مقصد نہیں بلکہ جس مقصد کی وجہ سے ہم خیر امۃ کہلائے گئے ہیں وہ مقصد دین حق کا پہنچانا اور تبلیغ ہے جو انبیاء کا کام تھا پہلے زمانہ میں یہ کام ایک نبی کے بعد دوسرا نبی سنبھالتا رہا۔ مگر جب ہمارے آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے اور ان کے بعد دوسرا نبی آ نہیں سکتا تو اس عظیم مقصد دین اور تبلیغ دین میں ان کی پوری امت ان کی نائب ٹھہری۔ یاد رکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام عالم کے لئے ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس	ہم نے آپ کو تمام دنیا کیلئے بشارت دینے والا
بشيراً ونذيرا۔	اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور ترقی کرتے کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی عروج پر پہنچایا گیا۔

اليوم اكملت لكم دينكم	آج کے دن میں میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور
واتممت عليكم نعمتي	اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور پسند کیا تمہارے
ورضيت لكم الاسلام دينا۔	لئے اسلام کا دین ہونا۔

اب تمام عالم کو تبلیغ بوجہ نیابت کے امت کے سپرد ہے۔ وليبلغ الشاهد الغائب۔ اور چاہیئے کہ دیکھنے سننے والا اوروں تک پہنچا دے۔

امت کا فریضہ ہے کہ حضور اقدسؐ کا دین ان کا پیغام اسلام اور قرآن ساری دنیا کو پہنچائے اس لئے خداوند تعالیٰ نے خیر امۃ ہونے کی وجہ اخرجت للناس بتلائی کہ تم تمام عالم کے فائدے

کیلئے رہنما ہو۔ پیر ہو، استاد ہو، صرف پاکستان کے نہیں اور نہ صرف ہندوستان اور جاپان کے بلکہ للناس جہاں بھی کوئی آدمی ہو اور قیامت تک جتنے بھی آنے والے ہیں سب کے لئے بھیجے گئے ہو اور اس لئے تمہیں خیرامۃ کا اعزاز نہیں دیا گیا کہ تم بڑے مالدار ہو یا تمہارے پاس بڑی سے بڑی خلافت اور حکومت ہے بلکہ تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔

تمہارا کام یہ ہے کہ جتنی بھلائیاں ہیں ان کا امر کرو۔ خدا نے، رسولؐ نے جن نیکیوں کو بیان فرمایا ہے، اسکو المعروف کہتے ہیں۔ ہماری خود ساختہ تجویز کردہ بھلائیاں مراد نہیں اس لئے آیت میں بمعروف نہیں کہا۔ بلکہ الف لام کے ساتھ معروف کو ذکر کیا کہ تم دنیا کو ان ہی نیکیوں کا راستہ دکھاؤ گے جو رسول اللہ اور ان کے صحابہ نے بتلائیں۔؟ روس اور امریکہ اور یورپ والی نہیں اور تم لوگوں کو ان برائیوں سے روکو گے جن سے حضورؐ اور صحابہ نے روکا تھا۔ تو اب تمام امت کا مقصد اور فریضہ دین پہنچانا ہوا ـــــ

تدریجی طور پر کمال تک پہنچانا خدا کی سنت ہے | ہمارے آقا سردار دو جہان رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ہیں۔ اور تکوینی امور کی طرح تشریعیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ ہر کام اور ہر چیز کو آہستہ آہستہ تدریجاً ترقی اور کمال تک پہنچاتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوا تو چھوٹا ہے، نہ کھانے پینے کے قابل ہے نہ چلنے پھرنے کے۔ سال دو سال بعد اٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہوتا ہے۔ تو پھر اس کے بعد کھیل کود اور سکول پڑھنے کے قابل ہوا۔ پھر کہیں جوان اور مضبوط ہو کر کمال تک پہنچا۔ یہ اناج کی فصل جسے تم آج کل کاٹتے ہو، تقریباً چھ ماہ میں کمال تک پہنچی۔ درختوں کو تکمیل میں برسہا برس لگ جاتے ہیں۔ خداوند کریم اگر چاہتا تو ایک پل اور لحظہ میں یہ سب کچھ کر سکتا۔ مگر شانِ ربوبیت کے تقاضے پر تدریجاً کمال تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح نبوۃ کا سلسلہ بتدریج ترقی کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم جو سب سے پہلے انسان تھے ابو البشر تھے۔ ان ہی کو پیغمبر بنایا۔

روحانی اور جسمانی ضروریات کا انتظام | اللہ تعالیٰ کی رحمتیں کتنی وسیع اور عجیب و غریب ہیں کہ انسانی حاجتیں چاہے روحانی تھیں یا جسمانی، پہلے ہی سے پوری فرمادیں۔ کبھی کبھی ان پر غور فرمایا کریں۔ انسان کی جسمانی حاجات و ضروریات پر غور کریں۔ جسمانی زندگی کیلئے ہوا کی ضرورت ہے تو انسان کی پیدائش سے پہلے ہوا پیدا کی۔ زمین پر چلنے پھرنے کے لئے زمین پیدا فرمادی۔ ماں باپ جیسے مشفق و مہربان آپ کو دئے جن کے سینہ میں محبت بھرا دل ہے۔ اور پھر ماں کے سینہ سے

پلنے پھولنے کا انتظام فرمایا۔ پیدا ہونے سے ہزاروں سال قبل ہمارے آرام و راحت کے لئے ضروریات زندگی مہیا فرمائیں۔ چار پانچ مہینے ماں کے پیٹ میں ہر انسان زندہ رہتا ہے۔ اس وقت جسمانی حالت بڑی لطیف اور نازک ہوتی ہے۔ حمل کے ایام میں گرمی کا تحمل کر سکتا ہے نہ سردی کا۔ مگر وہاں گرمی اور سردی سے بچنے کیلئے سارے انتظامات فرما دئے کہ ہمیں کسی قسم کی تکلیف کا احساس تک نہ رہا۔ پھر ڈھائی برس کیلئے خدا نے اس خون کو جو بطنِ مادر میں بچے کی خوراک تھا، دودھ بنا دیا۔ اور ماں کے سینے میں چشمے بنا دئے۔ جس وقت وہ خون تھا تو بچے کے پیٹ میں ناک کان اور منہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ناف کے ذریعہ پہنچتا رہا۔ کہ خون کی آلائش سے یہ ملوث نہ ہو پھر اسے ایسا دودھ بنا دیا جو نہ گرم ہے نہ سرد نہ بہت میٹھا ہے اور نہ خالص نمکین اور نہ بہت گاڑھا ہے۔ اور نہ بہت نرم بلکہ ہر لحاظ سے اعتدال پر ہے ہمارے لئے روشنی کی ضرورت تھی تو اُس مہربان اللہ نے ہماری یہ ضرورت پوری کی۔ بجلی، چاند، سورج، تارے پہلے سے پیدا کئے کہ اندھیرے میں ٹکریں نہ ماریں۔ اسی طرح باطنی روشنی اور روحانی ضروریات کیلئے بنی نوع کے پہلے ہی فرد (حضرت آدمؑ) کو پیغمبر بھی بنا دیا کہ کسی کو یہ کہنے کا حق نہ ہو کہ کسی دور میں خدا نے رہنمائی کا سامان پیدا نہیں کیا تھا۔ پھر چونکہ ابتداء میں رسل و رسائل اور تمدن کا اتنا سامان نہ تھا کہ ساری دنیا اور سارے ملک کو ایک پیغام اور دعوت پہنچائی جا سکے۔ اس لئے انبیاء بھی اس زمانہ میں ہر علاقہ ملک اور گاؤں کیلئے الگ الگ بھیجے جاتے تھے۔ پشاور والوں کو یہاں کی خبر نہ تھی اور یہاں کی خبر کراچی والوں کو نہ تھی۔

آخری دور میں پورا عالم ایک گھرانہ ہوا | مگر اللہ کے علم میں تھا کہ ایک ایسا دور آنے والا ہے کہ پورا عالم ایک گھرانہ ہو جائے گا جیسا کہ آجکل امریکہ جاپان لندن، فرانس چین اور انڈونیشیا مراکش اور انڈیا سب ایک گھر کے مختلف حصے بن چکے ہیں۔ بلکہ گھر سے بھی کم مسافت ہے کہ گھر کے ایک کمرے کی بات دوسرے گوشے میں نہیں سنی جا سکتی۔ مگر امریکہ کی بات ہم گھر بیٹھے ریڈیو، وائرلیس اور ٹیلیفون کے ذریعہ سن سکتے ہیں۔ امریکہ کی حالت ٹیلی ویژن سے دیکھ سکتے ہیں۔ میرے سامنے یہ لاوڈ سپیکر ہے میری آواز قصبہ کے دوسرے سرے تک پہنچ رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے۔ اور جب ایک شخص کی بات سب تک پہنچے تو دوسروں کو بولنے کی ضرورت نہیں، ورنہ شور و غل بن جائے گا۔ تو جب اللہ نے دنیا کو اسطرح ملانا چاہا وسائل اسباب اور ذرائع سب خدا کو معلوم تھے اور اسلام کے ساتھ ان ترقیات کا آغاز ہو گیا تو اس لئے نبوت کی تکمیل بھی حضورؐ پر

فرمادی گئی کہ جب دور سے آبادی، جنگل دریا اور پہاڑوں میں یہ آواز پہنچ سکے گی۔ تو اوروں کو بولنے اور شور و غل کرنے کا کیا حق ہوگا۔ بلا مقصد اور بلا ضرورت کام حکمت خداوندی کے منافی ہے۔

علوم کی تکمیل رفتہ رفتہ ہوئی | وہ دور انسان کی طفولیت اور بچپن کا تھا۔ اور قاعدہ ہے کہ بچہ جب سکول میں داخل ہوتا ہے۔ تو استاد اسے الف۔ با۔ تا پڑھاتا ہے اور اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، رہنے سہنے کے طور طریقے سکھاتا ہے۔ اس کا دماغ علوم و معارف اور ہا ایک مضامین کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پھر مڈل میں کچھ مضامین بڑھا دیئے جاتے ہیں ہائی سکول اور کالجوں میں اس سے بھی زیادہ، غرض جتنی دماغی قوت میں ترقی ہوتی ہے اتنا ہی مضامین میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ساری تعلیم تکمیل تک پہنچ جاتی ہے۔ بچے کو دماغی قابلیت کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے جس درجہ کا طالب علم ہوتا ہے۔ اس درجہ کے مطابق استاد و معلم بھی ہوتا ہے۔ درجہ تخصص، ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی پڑھانے کیلئے استاد بھی ہر لحاظ سے کامل اور مکمل اور جامع علوم منتخب کیا جاتا ہے۔ اسطرح انسان کی روحانی تربیت کے لئے اولاً ہر علاقہ کے لئے الگ الگ استاد کی ضرورت تھی کیونکہ ایک علاقہ کے بسنے والے دوسرے ملک سے منقطع تھے تو اس وقت کے پیغمبروں نے اس قوم کی دماغی قابلیت کے مطابق ضروریات زندگی کی تعلیم دی اور اشیاء کے اسماء اور ان کے خواص کی تعلیم دی کہ انسان اس دنیا کو بسائے، رہنے سہنے کے آداب سیکھ سکے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا۔ اور اللہ نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے نام بتلائے حضرت ادریس اور شعیب علیہ السلام نے خط و کتابت سکھلائی، بعض نے زراعت، پوشاک اور رہائش کے طریقے سکھلائے۔ جو زمانہ طفولیت انسان کے مناسب علوم تھے تاکہ آئندہ زندگی اچھی گزارے۔ نوح کے وقت سے تشریعی علوم کا آغاز ہوا۔

عالم انسانیت کی تدریجی ترقی | حضرت نوح کے زمانہ تک عالم انسانیت کا دور طفولیت تھا تو اس دور کے مناسب پیغمبر آئے اور اس دور کے مناسب علوم سکھلاتے گئے حضرت نوح کا دور انسانیت کے شباب کا زمانہ تھا۔ اور شباب کا دور حضرت ابراہیم کے زمانہ تک رہا۔ اور حضرت ابراہیم کے وقت سے شیخوخت کا دور شروع ہوا۔ تو جسطرح آدمی پر ادوار مختلفہ آتے ہیں۔ اوّل دور طفولیت پھر شباب، پھر عقل کی پختگی کا زمانہ کہولت۔ پھر شیخوخت۔ اسطرح حضرت آدم سے حضرت نوح تک عالم اکبر اور انسانیت نابالغ تھی، تو انسان کو رہنے سہنے اور تمدن کے آداب سکھائے توحید، خدا کی عظمت دینداری کی تعلیم دی، خط و کتابت اور

تعلیم و تعلّم کے طریقے سکھلائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے حضرت نوحؑ کے زمانہ تک عذاب نہیں آیا۔ کیونکہ بچہ کی غلطی سے درگذر ہوتی ہے جب آدمی جوان ہو کر سرکشی اور نافرمانی کرے تو اسے تھپڑ مارا جاتا ہے، سزا دی جاتی ہے۔ مار پیٹ، جیل وغیرہ سے بھی ٹھیک نہ ہو تو تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ اور جوان شریر بھی بہت ہوتا ہے، بات نہیں سنتا، تکبر سے بھرا ہوتا ہے۔

خدا کے پیغمبر حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو برس تک ان کو تبلیغ کی اور روایات کے مطابق زیادہ سے زیادہ تعداد ساٹھ ستر افراد کی ہے جو مسلمان ہوئے اور کم از کم تعداد دس بارہ کی منقول ہے۔ جہاں آپ تشریف لے گئے۔ لوگوں نے ڈانٹا کہ آپ ہمیں تنگ کرتے ہیں مجلسوں میں ہمیں رسوا کرتا ہے۔ حضرت نوحؑ نے سوچا کہ رات کو تبلیغ کے لئے آؤں گا۔ تاکہ تم رسوا نہ ہو مگر جب وہ رات کو آتے تو واستغشوا ثیابھم۔ لحاف اوڑھ لیتے کہ ہم نیند میں ہیں خواب سے نہ جگائیں ——— حضرت نوح کی زبانی خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رب انی دعوت قومی لیلاً ونہاراً فلم یزدھم دعائی الا فراراً ——— ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسراراً فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفاراً۔

اے رب میں نے دن میں بھی اور رات میں بھی اکیلے بھی اور مجلس میں ان کو نصیحت کی مگر انہوں نے سوائے فرار کے کوئی دوسرا کام نہ کیا جتنی میں نے دعوت میں اضافہ کیا اتنا ہی انہوں نے گریز کیا۔

....

ان لوگوں کی جوانی کا دور تھا شرارت حد سے بڑھ گئی تھی تو آپ نے دعا کی کہ اے رب اب اس قوم کو سزا دے۔ خدا طوفان لایا یہاں تک کہ کوہ ہمالیہ پر بھی چالیس چالیس ہاتھ پانی چڑھ گیا ——— پھر عاد و ثمود کے عہد میں قوت شباب میں اور بھی اضافہ ہوا بڑے بڑے جسموں اور ڈھانچوں والے لوگ تھے، سرکش بھی حد سے بڑھ کر تھے کسی پر زلزلہ آیا کسی پر سخت طوفان آتے مگر جوانی اور شرارت کی وجہ سے گویا انہوں نے قسم کھائی تھی۔ کہ ہم ماننے والے نہیں ——— اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دور شروع ہوا جو کہولت ہے۔ جیساکہ چالیس سال کی عمر میں آدمی کا تجربہ اور عقل کامل ہو جاتی ہے، ایسا ہی سیدنا ابراہیمؑ کے عہد سے انسانیت کی تاریخ میں علوم و معارف کا دور شروع ہوا، یہاں تک کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں یہ عالم اکبر پورے کمال تک

پہنچا، عقل بالکل پختہ ہوگئی۔ علوم و کمالات میں انسانیت نقطۂ عروج پر پہنچی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس امت جیسی باکمال دنیا میں کوئی نہیں گذری۔ دوسری طرف خدا نے سارے عالم کو وسائل اور اسباب کے ذریعہ ملادیا۔

حضور کی علوم میں جامعیت | ہر قسم کے علوم انتہا کو پہنچنے تھے تو خدا نے خاتم الانبیاءؐ کو بھیج دیا جن کا ارشاد ہے کہ اوتیت علم الاولین والآخرین۔ مجھے تمام اولین و آخرین کا علم دیا گیا ہے۔ تمام انبیاء کے کمالات اور علوم آپ میں جمع کر دئے گئے ہیں ۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنکہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضورؐ کے علمی کمالات اگر آپ معلوم کرنا چاہیں تو قرآن مجید اور حدیث کا مطالعہ کریں، آپ کو اندازہ لگ سکے گا چودہ سو سال سے امت ایک ایک آیت سے علوم و معارف کا استنباط کر رہی ہے مگر ختم ہونے کو نہیں۔ لا تنقضی عجائبہٗ اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ نہ مخلوق کسی آیت کا جواب اور نمونہ پیش کر سکی۔ چھوٹی سی سورت انا اعطینالک الکوثر۔ کا جواب بھی کسی سے نہ بن سکا۔ دنیا کے تمام فلاسفر اور دین پر ریسرچ کرنے والے جمع ہو کر بھی حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ایک حدیث جیسا مضمون اور اس جیسے الفاظ پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم تو اللہ کا کلام ہے۔ غرض روحانی ہدایت کیلئے خدا نے جو روشنی پیدا فرمائی وہ پہلے چراغ اور موم بتی کی صورت میں تھی پھر لالٹین اور بجلی کے بلب کی طرح بڑھ گئی پھر اور ترقی ہوئی تو ستاروں کی مانند ہوئی پھر چاند کیطرح اور جسطرح مادی روشنیوں کی انتہا سورج پہ ہوئی اس طرح حضور اقدس کی مثال روحانی ہدایت کیلئے سورج کی مانند ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہ رہی۔ ہر چیز کی ابتداء بھی ہوتی ہے اور اس کا کمال اور انتہا بھی تو جیسا سورج کو روشنیوں کا خاتم بنا دیا اسی طرح حضورؐ کی مثال ہے۔ اگر سورج چڑھے ہوئے کوئی شخص چراغ ہاتھ میں لے کر کسی چیز کو ڈھونڈھتا ہے تو آپ اُسے پاگل اور بے وقوف کہتے ہیں۔ اسی طرح حضورؐ کے بعد اگر ایک شخص ظلّی اور بروزی نبوت کی لالٹین ہاتھ میں لئے پھرے تو وہ شخص بڑا بیوقوف ہے ـــ اگلی امتوں میں نبوت کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ ادیان اور مذاہب تحریف اور تغیر و تبدل کی وجہ سے مٹ گئے اور چونکہ اللہ کو ایسا ہی منظور تھا اس لئے تبدل و تحریف سے ان مذاہب کی حفاظت بھی نہ ہوئی اور ہر پیغمبر کے بعد خدا دوسرا نبی بھیجتا رہا مگر جب اسلام کو قیامت تک رکھنا منظور تھا تو کمی بیشی اور تحریف

سے بھی خدا نے اسے محفوظ فرمایا : انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون - ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ اور دین کی تکمیل فرما کر اعلان فرمایا : الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ میں نے آج کے دن دین مکمل کر دیا اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور اب تمہارے لئے قیامت تک میں دین اسلام ہی کو منتخب کرتا ہوں۔

عقیدہ ، اخلاق ، عمل کے لحاظ سے سب قسم کی نعمتیں خدا نے حضورؐ کے ذریعہ مکمل فرما دیں اور اسلام کا پسندیدہ دین ہونا قیامت تک کیلئے بنا دیا اب اگر کوئی شخص حضورؐ ہی کو نبی مانے اور اسلام کو دین حق سمجھتا ہو مگر آپ کے بعد کسی اور نبی کو بھی مانے تو وہ اپنے آپ کو نہ مسلمان کہہ سکتا ہے۔ نہ اپنے دین کو دین اسلام۔

کسی اور کو نبی مان کر مسلمان نہیں کہلا سکتا | آپؐ سے قبل جب کبھی ایک نبی گذرا اور دوسرا آیا تو جس شخص نے دوسرے نبی کو مانا تو اس کا نام اور مذہب بھی بدلا۔ جیسے ملت ابراہیمی کے پیرو کا نام حنیفی تھا۔ مگر جب قوم حضرت موسیٰ پر ایمان لائی تو اس کا نام یہودی ہوا۔ پھر حضرت عیسیٰ کے اوپر ایمان لانے والوں کا نام یہودی نہ رہا بلکہ عیسائی اور نصرانی ہو گیا۔ غرض پیغمبر کے بدل جانے سے قوم کا مذہب اور نام دونوں بدل جاتے ہیں تو حضور اقدسؐ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نبی ماننے اور اس پر ایمان لانے کے بعد ان کا نام اور مذہب بھی بدل جائے گا۔ وہ لوگ نہ مسلم کہلائیں گے نہ ان کا مذہب اسلام ہوگا بلکہ وہ غیر مسلم اور کسی دوسرے شخص کو منسوب ہوں گے۔

جب قیامت تک خدا کو صرف اسلام کا دین ہونا ہی منظور ہے تو کسی دوسرے نبیؑ کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ حضورؐ آفتاب نبوتؐ ہیں پھر آفتاب کی موجودگی میں ستارے بھی نظر نہیں آسکتے تو چراغ اور شمع جلانے کی حماقت کیوں کی جا سکے گی اور جب پہلا دین مکمل اور اصل شکل میں موجود ہے جیسا کہ قرآن وحدیث اور حضورؐ کا دین محفوظ ہے تو نیا نبی کیوں آئے۔ اگر وہ نئی بات تبلا رہا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ پہلا دین نامکمل ہے تو الیوم اکملت لکم کے خلاف ہوا اور اگر پرانی بات تبلائے تو وہ پیغمبر کیسے رہا۔؟ آج چودہ سو سال گزرنے پر بھی قرآن اول سے آخر تک ایک ایک حرف موجود ہے۔ احادیث اور اس کے مضامین ، مسائل واحکام جس کا نام فقہ ہے مکمل محفوظ ہیں تو جب دین مکمل ، پیغمبرؐ تمام انبیاء کا سردار ، اور دین کی حفاظت کا قیامت تک وعدہ ہو چکا ہو تو اب دوسرے شخص کو نبوت کا دعویٰ کر کے دخل در معقولات کر دینے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکرؓ پیغمبر نہ بنے ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ نہ بنے ، حضرت

علی اور حضرت حسینؓ و حسنؓ نہ بن سکے۔ امام بخاریؒ، امام ابو حنیفہؒ نبی نہ ہو سکے۔ اور آج تک خدا نے دین کی حفاظت حضورؐ کے ان غلاموں سے کروائی تو آج خدا کو ایسی کونسی ضرورت پیش آئی کہ نیا نبی مبعوث فرمادے۔ یہ شرف تو قیامت تک حضورؐ کی غلام امت ہی کو بخشا گیا۔ کہ حضورؐ کی دعوت کی حفاظت و اشاعت میں لگی رہے گی اور یہ خوشخبری سنائی کہ لا تجتمع امتی علی الضلالۃ۔ میری اُمت سب کی سب گمراہی پر جمع نہ ہوگی اور فرمایا لا تزال طائفۃ من امتی قائمۃ علی الحق لا یضرھم من خالفھم۔ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور مخالفت کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ غرض تبلیغ دین اور دعوت الی الحق پر یہ امت قیامت تک قائم رہے گی۔ تو بروزی اور ظلی نبی کی ضرورت کیا ہے کہ پرانی باتوں کی اشاعت نبی کہلا کر کرے ان باتوں کی اشاعت کیلئے کروڑوں امتی اس کام پر لگے ہوئے ہیں۔

اُمت پر حضورؐ کے احسانات امت کے ساتھ حضور اقدسؐ کی شفقت و عنایت کس قدر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب قیامت کے دن مجھے مقام محمود پر سرفراز کر دیا جائے گا تو اس عزت کے مقام پر نہ بیٹھوں گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اکیلا جنت میں داخل کر دیں بلکہ میں مقام محمود پر ہاتھ رکھ کر اللہ کے سامنے ادباً کھڑا ہو کر ـــــــــــ عرض کروں گا کہ اس مقام پر بیٹھ کر ایسا نہ ہو کہ میرا کوئی امتی جہنم میں چلا جائے اور مجھے خبر نہ ہو چونکہ خداوند تعالیٰ نے دنیا میں ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ سے آپ کو راضی رکھنے کی بشارت فرمادی ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور راضی فرمادیں گے۔ حضورؐ کے علم میں تھا کہ میرے بعد قسم قسم کے فتنے پیدا ہوں گے۔ آخر میں دجال کا فتنہ ہوگا جو بارشوں کو برسائے گا، مردوں کو اپنے طلسم سے زندہ کرے گا۔ دنیا کی عیاشی کی سب چیزیں اس کے ساتھ ہوں گی، تنخواہ، روٹی، عہدہ سب کچھ اس کے پاس ہوگا۔ یہاں تک کہ قبروں سے لوگوں کے خویش و اقارب (جو دراصل شیاطین ہوں گے) کو زندہ کروا کر اٹھوائے گا۔ ایسے ایسے فتنوں کا سامنا اس امت کو کرنا تھا تو حضورؐ نے عرفہ کے موقع پر رو رو کر امت کیلئے دعائیں کیں۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق بخش دینے کا اعلان فرمادیا مگر حقوق العباد معاف کرنے کا اعلان نہ ہوا۔ پھر رات کو مزدلفہ میں روتے رہے۔ تو خدا نے اصحاب حقوق بخشوانے کی صورتیں بھی وہاں بتلادیں کہ صاحب حق کو راضی کروا کر اُس سے معافی دلادی جائے گی، تو حضورؐ کے کس قدر احسانات ہیں امت پر۔ سب سے پہلے قیامت کے دن حضورؐ قبر مبارک سے اٹھیں گے سب سے پہلے پل صراط سے گذریں گے۔ سب سے پہلے جنت کا دروازہ ان کے لئے کھولا جائیگا۔

تو حضورؐ کی امت بھی دیگر امتوں سے پہلے ان کے ساتھ ہوگی کہ جہاں آقا ہو وہاں غلام اور خادم بھی ہوتا ہے۔ تو کیا ایسے محسن کے ہوتے ہوئے اُس سے اپنا رشتہ کاٹ کر کسی اور کے پیچھے چلنا عقلمندی اور احسان شناسی ہے۔

ان احسانات کا تقاضا کیا ہے۔ آپؐ کے ان احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم نہ صرف حضورؐ کے دین پر قائم رہیں بلکہ قیامت تک ساری دنیا تک اسے پہنچاتے رہیں۔ کہ ساری مخلوق حضورؐ کے ان احسانات سے فیض یاب ہوجائے اور حضورؐ کے اس پیغام کو اوروں تک پہنچانا اتنا بڑا کام ہے کہ کوئی دوسری عبادت اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

حضرت علی اسد اللہ ہیں جھنڈا ہاتھ میں لئے خیبر کو جارہے ہیں، حضورؐ کو دیکھ کر فرمایا یارسول اللہ میرا ارادہ ہے کہ کسی یہودی کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ اور جہاد میں قتل کفار تو ہے ہی ثواب۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو۔ قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ —— اگر ان میں سے کسی نے کلمہ پڑھ لیا تو وہ ہمارے ساتھ سب حقوق میں برابر ہے۔ کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی نسلی، قومی، لسانی امتیاز اور ذات پات اونچ نیچ تو اسلام میں ہے نہیں۔ کلکم بنو آدم وآدم من تراب۔ تم سب حضرت آدم کی اولاد ہو اور وہ مٹی سے پیدا کئے گئے، آج امریکہ مساوات کا دعویدار ہے۔ مگر دعووں کے باوجود سیاہ فام لیڈر لوتھر کے قتل کے بعد کے حالات دیکھئے۔ یہ حقیقی مساوات تو صرف اسلام میں ہے۔ تو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر ایک شخص بھی تمہاری وجہ سے مسلمان ہوا تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں قیمتی سرخ اونٹوں سے بھری ہوئی ساری زمین بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

صحابہؓ کی عزت کریں سید الشہداء حضرت حمزہؓ کے قاتل ہیں وحشی جنہیں اب ہم رضی اللہ عنہ کہیں گے۔ صحابہؓ سے محبت لازم ہے۔ جب اللہ سے ہمیں محبت ہے تو اس کے محبوبؐ نبی کریم سے بھی ہوگی۔ اور جب محبوبؐ سے محبت ہوگی تو اس کے صحابہؓ سے بھی ہوگی۔ اگر تمہیں کسی سے محبت کا دعویٰ ہے۔ مگر اسکی اولاد اور عزیزوں سے نفرت ہے تو یہ محبت کبھی سچی محبت نہ ہوگی اور نہ وہ محبوب آپ کو سچا سمجھے گا۔ اسی طرح صحابہؓ نے حضورؐ پر مال وجان ملک و وطن سب کچھ نثار کر دیا۔ آپؐ کے پسینہ گرنے کی جگہ اپنا خون گرایا اور جیسا کہ حضرت ابوسفیانؓ نے فرمایا کہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ اور حاکم سے اپنے چھوٹے کی اتنی رعایت و محبت نہیں، جتنی کہ حضورؐ کے ساتھ ان کے صحابہؓ کو تھی۔ تو حضورؐ کے ساتھ محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تمام

صحابہؓ سے بھی محبت ہو۔ اگر صحابہؓ سے محبت نہیں تو حضورؐ سے ہرگز محبت نہ ہوگی۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا۔ میرے صحابہؓ کو میرے بعد اپنا نشانہ نہ بنانا۔

تو وحشی حضورؐ کے عم محترم کا قاتل ہے۔ مگر جب وہ اسلام لانے کے لئے آپ کی مجلس میں آیا تو صحابہؓ چونک پڑے اور چاہتے تھے کہ اسے قتل کر دیں مگر حضورؐ کی مجلس کے ادب و احترام مانع تھے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میرے نزدیک کسی ایک شخص کا کلمہ پڑھ لینا اس سے زیادہ ثواب رکھتا ہے، کہ روئے زمین کافروں سے بھر جائے اور اُن کو تم لوگ قتل کر دو تو کسی ایک شخص کو مسلمان بنانے کا اجر تمام کافروں کو قتل کرنے سے بھی زیادہ ہے۔

الغرض جب خدا نے ہمیں حضورؐ کی امت میں پیدا کیا تو ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے دیکھو کافروں کو خدا مہلت دیتا ہے۔ ان کے لئے صرف دنیا ہے۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں انگریز کو خدا نے ہمارے اوپر دو سو برس حکومت کرنے کا موقع دیا مگر لا الٰہ کا اقرار کرتے ہوئے بھی اس نعمت کی قدر نہ ہو تو ایسی قوم پر دنیاوی عذاب بھی جلد آجاتا ہے۔ اس کے لئے کوئی مہلت اور چھٹکارا نہیں فان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم[1]۔ اس نعمت کی بیقدری مت کرو ورنہ کسی اور کو کھڑا کر دے گا جو تم جیسا نہیں ہوگا۔

دین کا خلاصہ | اس دین کا خلاصہ تین چیزیں ہیں :-

۱- ایک تو یہ کہ دل کو پاک رکھا جائے۔ یعنی عقیدہ صحیح ہو کہ اللہ واحد لا شریک ہے، عالم ہے۔ قدرت رکھنے والا ہے۔ اس نے ہمیں وجود دیا، رزق اور عزت سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور تمام تکالیف بھی اللہ ہی جب چاہے پہنچاتا ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہ نفع ہے۔ نہ ضرر۔

۲- حضور اقدسؐ خدا کے آخری نبی ہیں تمام مخلوقات میں سے افضل اور کامل و مکمل۔ سب سے پہلے خدا نے انہی کو نبوت دی۔ عالم میثاق میں سب سے پہلے انہی کو یہ شرف بخشا گیا۔ کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین[2] اور عالم ظہور میں انہیں سب سے آخر میں مبعوث فرمایا۔ اور حضورؐ کے اوپر نبوت کی تکمیل ہو چکی ہے۔

۳- اپنے خلق و اخلاق کو ٹھیک کر دیا جائے مثلاً ہمارے اندر حسد، حرص اور تکبر ہے۔

---

[1] اگر تم نے روگردانی کی تو خدا دوسری قوم کو کھڑا کر دیگا جو تمہاری مانند نہ ہوگی۔

[2] میں اُسی وقت نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

جو بڑی برائیاں ہیں۔

حرص سے احتراز | اسلام ہمیں حرص و لالچ سے روکتا ہے۔ اور حرص و لالچ سے کوئی فائدہ بھی نہیں اس لئے کہ جب بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔ تو حدیث میں ہے کہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ اس کے بارہ میں کیا لکھیں۔ اشقیٌ ام سعید ؟ یہ بدبخت ہوگا یا سعادتمند۔؟ اسکی عمر اس کا رزق وغیرہ لکھ دیا جاتا ہے۔ تو اس وقت سے خدا نے قسمت میں جو کچھ تھا مقرر فرما دیا جسکی قسمت میں بھوک ہے وہ بھوکا رہے گا۔ خواہ وہ کروڑپتی کیوں نہ ہو جائے کتنے کروڑپتی ہیں کہ جنہیں جو کے ستو اور چند بسکٹ بھی کھانے کو نصیب نہیں ہوتے —— یہ منصوبہ بندی والے عموماً خدا کی نعمتوں سے محروم رہتے ہیں۔ اور کتنے غریب ہیں جنہیں خدا پیٹ بھر کر کھانا دیتا ہے۔ تو یہ قسمت کی بات ہے تو پھر حرص سے کیا فائدہ۔

بایزید بسطامیؒ کسی مسجد میں آئے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو پوچھا کہ کھانا آپ کو کہاں سے ملتا ہے۔ امام نے کہا کہ کبھی کبھی کوئی مقتدی کھانا کھلا دیتا ہے۔ حضرت بایزید نے فرمایا کہ بھائی یہ نماز تو میں نے آپ کی اقتداء میں پڑھی مگر اب اسے لوٹاؤں گا کہ تمہیں اب تک اپنا رازق معلوم نہیں ہوا تو یہ نماز تیری اقتداء میں کیسے مقبول ہوگی۔؟

تو بھائیو! ہمارا رازق نہ امریکہ ہے نہ روس، نہ زمینداری اور ملازمت۔ ہاں یہ ذرائع اور وسائل ہیں اور اس کا ارتکاب کرتے رہو۔ مگر موثر حقیقی صرف خدا ہے۔ اس بات پر اپنا عقیدہ جماؤ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے وفات کے وقت اپنے تمام مال کو تقسیم کرنا چاہا کسی نے کہا کہ اپنے بیٹے کیلئے بھی کچھ چھوڑ دو فرمایا: من کان لہ اللہ فلیس لہ حاجۃ الی عبد اللہ۔ جس کا اللہ ہو تو اُسے عبداللہ کی ضرورت نہیں —— تو اس لالچ اور حرص نے دنیا کو تباہ کر دیا یہ کروڑوں کا سمگلنگ کرنے والے بھی اپنے آپ کو بھوکا سمجھتے ہیں۔

حسد | اسی طرح حسد کو لو تو کیا خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر کسی سے حسد کرنا خدا کی تقسیم پر ناراض ہونا نہیں۔؟ اور کیا یہ خدا پر اعتراض نہیں کہ اسے کیوں یہ نعمت دی اور مجھے محروم رکھا۔ ہاں اللہ سے اپنے لئے بھی اس نعمت کا تقاضا کر سکتے ہو۔ مگر دوسرے کیساتھ اس نعمت کے ہونے پر خفا کیوں ہوتے ہو۔ ابلیس نے حضرت آدم سے حسد کیا عمر بھر کی عبادت رائیگان گئی اسے نسب اور سرشت پر غرور ہوا کہ میں آگ سے ہوں اور آدم مٹی سے ہے، تو بجائے حسد کے ایک دوسرے سے محبت، اتفاق اور اتحاد چاہیئے۔

تکبر | اسی طرح تیسری برائی تکبر ہے۔ جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو کسی معمولی انسان سے بھی بہتر سمجھے ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ؒ نے کسی کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ مسلمان کافر سے اچھا ہے مگر یہ مت کہو کہ فلاں مسلمان اس کافر سے اچھا ہے۔ اس لئے کہ فی المآل خطرہ ہے کہ اس مسلمان کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو اور کافر کا ایمان پر ہو جائے۔ تو نتیجہ کے لحاظ سے وہ کافر اس مسلمان سے بہتر ہوا۔ حضرت ابو الدرداءؓ راستہ سے گذر رہے تھے۔ کسی نے گالیاں دیں۔ فرمایا یہ لوگ جتنی گالیاں بھی دیں مگر مجھے اس کا فکر نہیں۔ میرے سامنے ایک گھاٹی ہے (جو موت اور حساب وکتاب کی گھاٹی ہے) اگر میں اس سے کامیابی کیساتھ گذر جاؤں۔ تو مجھے ان لوگوں کی گالیوں سے نقصان نہ ہوگا۔ اور اگر ناکام ہوا تو پھر تو میں ان گالیوں سے بھی زیادہ مذمت کا مستحق ہوں۔ تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ مال و دولت یا کسی اور چیز کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھے۔ قارون نے مال کی وجہ سے چچا زاد بھائی پر بڑائی کی اور انجام یہ کہ سب کچھ سمیت زمین میں دھنس گیا۔ فرعون نے حکومت پر غرور کیا سب کچھ سمیت بحیرۂ قلزم میں غرق ہوا۔ ابلیس غرور نفسی کی وجہ سے دائمی لعنت کا مستحق بنا۔ تو اپنی حقیقت پر سوچنا چاہئے کہ کس چیز سے خدا نے ہمیں پیدا کیا؟ نطفہ سے جو غلیظ پانی ہے۔ پیدائش سے موت تک جسم اور پیٹ میں آلائش گندگی اور خون بھرا رہتا ہے اور موت کے بعد گل سڑ جائیں گے۔ اسیطرح زبان کو جو بہت چلتی ہے غیبت اور گالی گلوچ سے محفوظ رکھو۔ مایلفظ من قول الالدیہ رقیبٌ عتید - کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں جو چھپ کے نہیں بلکہ زبان پر مونڈھوں پہ بیٹھے رہتے ہیں، پھر اعمال کے لئے الگ اور اقوال کے لئے الگ فرشتے ہیں۔

بدن کی صفائی | آخری چیز یہ کہ بدن کو پاک وصاف رکھو جسم کی صفائی اور طہارت بھی حضورؐ کے دین کی خصوصیت ہے۔ حضرت تھانویؒ نے طہارت بدن کے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک متقی عالم کا انتقال ہوا لوگوں نے دفن کیا اور چونکہ وہاں کی قبور کو کچھ عرصہ بعد کھول کر دوسرے مردوں کو اسی جگہ دفنایا جاتا ہے۔ تو کچھ عرصہ بعد اس عالم کی قبر جب کھولی گئی تو اس میں سے ایک حسین اور نوجوان عورت کی لاش ظاہر ہوئی اور عورت بھی فرانس کی میم تھی۔ فرانسیسی لباس میں تھی لوگ حیران ہو کر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے ایک شخص نے جو حج پر آیا تھا اسے پہچان لیا کہ یہ تو پیرس کی عورت ہے۔ میں نے اس کو اردو زبان سکھائی تھی اور ماں باپ سے چھپ کر میرے ہاتھ پر اسلام لائی تھی۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ خدا نے اس عورت

کو اسلام کی وجہ سے مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ مگر وہ عالم کہاں گیا۔! ــــ رفتہ رفتہ بات پھیل گئی اور پیرس میں اس عورت کو جس تابوت میں دفنایا گیا تھا تحقیق کیلئے کھولا گیا تو اس تابوت سے اس متقی عالم کی لاش نکلی۔ لوگوں کی حیرانی اور بڑھ گئی اور اس بزرگ کی بیوی سے اس کے حالات پوچھے گئے۔ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے شوہر میں کوئی ایسی خرابی نظر نہیں آئی سوائے ایک بات کے کہ جب اسے غسلِ جنابت کی ضرورت ہوتی تو اس کی زبان سے نکلتا کہ عیسائیوں کا مذہب اچھا ہے۔ کہ ان کے ہاں غسلِ جنابت نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اسکی زبان سے ایک کلمۂ کفر نکلا اور کافروں کی کسی ایک چیز کو اسلام پر ترجیح دی اور ایسا انجام ہوا۔ تو آج لوگ انگریزی آداب اور طور طریقوں پر مر مٹنے والے ہیں اور یورپ کے تمام قوانین اور فیشنوں پر فریفتہ ہیں معلوم نہیں کونسے گوروں کی قبر میں ان کو جگہ ملے گی یہ عالم غیب ہے اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ نصیحت کیلئے اسے منکشف کرا دیتا ہے تو اسلام ہمیں ظاہری و باطنی جسم اور روح دونوں کے تزکیہ کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر چلنے اور مضبوطی سے تھامنے اور باقی لوگوں تک پہنچانے کی توفیق دے۔

افادات حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ

مرتبہ :- جناب پروفیسر محمد شفیع صاحب صابر
فاورڈ کالج پشاور

انقلاب آفرین دستورِ حیات

جشنِ نزولِ قرآن کی تقریب میں پشاور میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ نے یہ خطاب فرمایا۔ (ادارہ)

★

(خطبۂ مسنونہ کے بعد) جشنِ نزولِ قرآن حکیم کے اس عظیم اور مبارک اجتماع کے انعقاد پر اہلِ پشاور مبارک کے مستحق ہیں، جیساکہ بتایا جاچکا ہے۔ اس اجلاس کا مقصد قرآن کریم کے نزول کی چودہ صد سالہ یادگار منانا ہے۔ نہ صرف پشاور بلکہ دنیا بھر کے اکثر اسلامی ملکوں میں ہر جگہ اس قسم کے اجتماعات ہو رہے ہیں۔ اس سے قبل پورے ماہِ رمضان میں، تراویح میں اور بالخصوص ستائیسویں شب کو بھی قرآن حکیم کے نزول کی سالانہ یادگار منائی جاتی ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی صحیفے اور کتابیں سب کی سب رمضان ہی میں نازل ہوئیں۔ علماء نے لکھا ہے۔ رمضان کی پہلی تاریخ کو حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل کئے۔ اسی طرح تورات، انجیل، زبور اور قرآنِ کریم بھی چھ چھ دن کے وقفے سے رمضان ہی میں نازل ہوئے۔

رمضان کی چھ تاریخ کو حضرت موسیٰ پر توریت نازل ہوئی۔ ۱۲ر کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور اتری۔ ۱۸ر تاریخ کو انجیل اور ۲۴ر رمضان کو قرآن کریم نازل ہوا ـــ قرآنِ کریم دنیا کی تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ، جامع اور خلاصہ ہے۔ بڑے لوگوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں، چنانچہ امام رازی کا کہنا ہے کہ سب کتابوں کا خلاصہ قرآن ہے۔ اور قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ ہے۔ گویا یہ چھوٹی سی سورت تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ٹھہری۔ پھر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جو اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں ہے۔ وہ سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ گویا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" خلاصہ ہے تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا اور بسم اللہ کا خلاصہ "ب" ہے جس سے بسم اللہ شروع ہوتی ہے۔ "ب" کے معنی کسی چیز

کو ملا دینا یا ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑ دینا ہے، دنیا کی جتنی آسمانی کتابیں انسانوں کی ہدایت کے لیئے آئی ہیں اُن سب کا مقصد بچھڑے ہوئے انسانوں کو خدا سے ملا دینا ہے۔ سب کتابوں کا مقصد یہی ہے کہ انسان خدا کیطرف متوجہ ہو جائے، ہر سال نزولِ قرآنِ پاک کا جشن شب قدر کی صورت میں یا عید الفطر کی صورت میں منایا جاتا ہے۔ اس کا مقصد اور فائدہ یہی ہے کہ مسلمان قرآنِ حکیم کو سمجھیں، اسکی بتائی ہوئی راہ پر چلیں اور اپنے اللہ کی رضا کو پالیں۔

فتنوں کا عملاج | حالات سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ان دنوں پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا، جب مسلمانوں کو طرح طرح کے فتنوں اور آزمائشوں کا سامنا ہوگا، صحابہ کرام نے پوچھا "ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہوگی۔؟ فرمایا: "وہ اللہ کی کتاب (قرآنِ حکیم) ہی کے ذریعہ بچ سکتے ہیں۔" نزولِ قرآن کے چودہ صد سالہ جشن کی تقریب خاص طور پر اسی لئے منائی جا رہی ہے کہ مسلمان کو قرآن کریم کی طرف متوجہ کیا جائے، وہ دونوں ہاتھوں سے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے، اور اسی پر کاربند ہو کر دینی اور دنیوی ترقی کرے ––– آج کی یہ تقریب دو نشستوں میں منقسم ہے، پہلی محفل حسنِ قرأت کی تھی۔ قرأت ہی کو لیجیئے تو ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا کی کوئی کتاب اتنے اچھے لحن سے نہیں پڑھی جا سکتی جتنی قرآن کریم ––– دوسری نشست کا مقصد یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کے بارے میں بیان کیا جائے کہ قرآن کیا ہے۔؟ ہم قرآن سے کس طرح استفادہ کر سکتے ہیں۔؟ اور چودہ سو سال میں اس سے کیسے کیسے نتائج برآمد ہوئے؟ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اللہ پاک نے اپنے نبیوں پر وحی کا سلسلہ ہزاروں سال پہلے شروع کیا۔ لیکن چودہ سو سال ہوتے قرآنِ حکیم کے نازل ہونے کے بعد یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ گویا قرآن انسانی ہدایت اور نجات کے لئے آخری آسمانی کتاب ہے –––

وحی کی ضرورت | سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وحی کی ضرورت کیا ہے۔ وکیا ترقی کے اس دور میں ایک انسان اپنی عقل کے ذریعے اپنی زندگی کی راہیں متعین نہیں کر سکتا۔؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، اُسے عمدہ انداز سے پیدا کیا، آنکھیں، کان، ہاتھ وغیرہ (حواسِ خمسہ) دیئے اُسے احساس کی قوت عطا فرمائی۔ تمام احساسات حافظہ کے اندر ریکارڈ ہو جاتے ہیں۔ جو چیز بھی دیکھی، سنی، چکھی یا سونگھی ہو اُس کی لذت اور شکل و صورت حافظے میں محفوظ رہتی ہے، اسی کو عقل کہا جاتا ہے ––– گویا جب عقل ملی تو انسان نے اپنے لئے بہت سے منصوبے اور راستے تلاش کیئے، لیکن یاد رکھیئے انسان اپنی عقل سے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اپنے پیدا کرنے والے کی

حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا، اسکی مثال ایسی ہی ہے، جیسے یہ جلسہ گاہ اور پنڈال بجلی کے ہزاروں قمقموں سے بقعۂ نور بنے ہوئے ہیں۔ روشنی کا یہ سارا انتظام انسان نے اپنی عقل ہی کے ذریعے کیا لیکن اس کے اپنے دل کی کوٹھڑی تاریک ہی رہی، انسان کی پیدا کردہ ساری روشنی بھی دل کو ضیاء بخشنے سے قاصر رہی، اس لئے کہ دل کو روشن کرنے کا سامان منظ نبی کے پاس ہوتا ہے۔ عقل محض کے ذریعہ خدائی مرضی اور منشاء معلوم کرنا تو ایک طرف رہا، ایک انسان دوسرے انسان کا منشاء اور مدعا بھی معلوم نہیں کر سکتا

علی حزین ایک مشہور شاعر ہوئے ہیں، اُن کا ایک ملازم تھا رمضانی، بڑا مزاج دان اور رمز شناس آقا نے ایک بار پوچھا۔ ع

امشب چہ قدر رسیدہ باشد

نوکر نے فی البدیہہ جواب دیا۔ ع

زلفش بکمر رسیدہ باشد

یہ تھا مزاج آشنا نوکر۔ مالک کا نبض شناس — ایک بار وہ کہیں اِدھر اُدھر تھا اور دوسرا نوکر علی حزیں کے پاس حاضری دے رہا تھا۔ علی حزیں اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ شطرنج کی بازی میں مصروف تھا، کھانے کا وقت ہو چلا تھا، علی حزیں نے اچانک نوکر کی طرف بڑی ترش روئی کے ساتھ دیکھا، نوکر گھبرا گیا، کچھ بھی نہ سمجھ سکا — تھوڑی دیر کے بعد مالک نے اُسے پھر ترش روئی کے ساتھ دیکھا — وہ پھر بھی کچھ نہ سمجھا — البتہ بھاگم بھاگ رمضانی کے پاس پہنچا اور اس سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ وہ کہنے لگا آسان بات ہے ترش روئی سے دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تو فوراً باغ سے لیموں توڑ لائے — ایسے اشاروں کو صرف نبض شناس اور مزاج دان لوگ ہی سمجھا کرتے ہیں، جب ایک انسان عقل کے ذریعے دوسرے انسان کا مقصد نہیں سمجھ سکتا تو پیدائشِ کائنات کی غرض و غایت اور تخلیقِ انسان کا مقصد کب سمجھ سکتا ہے، انہی باتوں کو سمجھانے کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر صحیفوں کے نزول کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کتابیں نازل کیں اور بالآخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم دے کر مبعوث فرمایا، قرآن پاک نے تمام آسمانی کتابوں کی تکمیل کر دی۔

قرآن پاک کی تکمیلی حیثیت | یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ جوں جوں انسانیت ترقی کرتی گئی اسی کے مطابق کتابوں اور صحیفوں کی تعلیمات میں بھی ترقی ہوتی گئی — حضرت آدم علیہ السلام پر جو صحیفے

نازل ہوئے اُن میں لکڑی اور لوہے کے استعمال کے بارے میں ہدایتیں دی گئی ہیں، آج کالج کے لڑکے جو صحیفے پڑھیں تو بے ساختہ کہہ اٹھیں کہ اس سے زیادہ تو ہمارا پروفیسر اور لیکچرار بھی جانتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ـــ یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ اس وقت انسانیت پر طفلی کا عالم تھا، اس لئے اُسے ابتدائی قاعدے کی ضرورت تھی، پھر جب انسانیت کے شعور میں کچھ اضافہ ہوا تو اُسے پرائمری کی کتابیں دی گئیں لیکن جب انسانیت اپنے عالم شباب یا نقطۂ عروج کو پہنچ گئی تو آسمانی کتاب بھی وہ بھیجی گئی جس نے دنیا کے تمام مذاہب کی تکمیل کر دی، اس کے بعد کسی کتاب کی ضرورت باقی نہ رہی۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کا معیارِ کمال یہی ہے کہ اس کی بنیادی حقیقتوں میں چودہ سو سال کے بعد بھی سرِ مُو فرق نہیں آنے پایا، چودہ سو سال پہلے اگر قرآن کریم نے یہ دعوٰے کیا تھا کہ فقط اللہ ہی کو یہ علم ہے کہ شکمِ مادر میں کیا ہے۔ تو آج سائنس کی چودہ سو سالہ ترقیات کے باوجود یہ معلوم نہیں کیا جا سکا کہ ارحام میں بچہ ہے یا بچی۔ ایکس رے اور طرح طرح کی مشینیں نکل آئی ہیں جن کی مدد سے یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ہڈی کو کہاں ضرب آئی ہے۔ پھیپھڑے میں کیا نقص ہے، گُردے میں پتھری ہے یا نہیں؟ لیکن کوئی ایسی مشین ایجاد نہ ہو سکی جو شکمِ مادر میں بچے کے متعلق کچھ بتا سکے ـــ قرآن حکیم کی اس آیت کی صداقت بدستور ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جو لازوال ہے اور ناقابلِ تبدیلی، بقول شاعر کہ ؎

صدیوں فلاسفی کی چُناں و چُنیں رہی ۔۔۔ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

ڈاکٹروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شکمِ مادر میں بچے کی نشست کا انداز ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ایکس رے کی کوئی مشین یہ نہیں بتا سکتی کہ پیدا ہونے والا بچہ ہے یا بچی ـــ اس طرح سے اور حقائق بھی ہیں، اگر بچے کا خُون باپ کے خون سے ملایا جائے، تب بھی کچھ پتہ نہیں چلتا، اس لئے کہ ہو سکتا ہے پاکستان کے ایک باشندے کا خون افریقہ کے ایک باشندے کے خون سے ملتا جلتا ہو، رہی شکل و شباہت تو بچہ کبھی اپنے ماموں پر ہوتا ہے، کبھی نانا پر، کبھی چچا پر، کبھی کسی اور رشتہ دار پر ـــ ڈاکٹروں کے محض تخمینے ہی تخمینے ہیں، ویسے ہی جیسے تخمینے محکمہ موسمیات بتایا کرتا ہے، یہ بجا ہے کہ ہُوا کے رُخ، اس کے درجۂ نمی وغیرہ سے موسم کا حال بتایا جا سکتا ہے لیکن کیا معلوم کہ اللہ ہوا کا رُخ ہی بدل دے اور گرج چمک کی بجائے گرم لُو چلنے لگے۔

قرآن کریم اخلاق و آداب کا جامع ہے | ہمیں اللہ پاک کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہمیں وہ کتاب دی جس میں تمام مضامین کو بیان کر دیا گیا۔ اور وہ مضامین بھی ایسے ہیں، جنہیں دنیا

کے سارے فلسفی بھی مل کر جھٹلا نہیں سکتے، قوانین کو لیا جائے تو تمام بنیادی قوانین قرآن حکیم میں موجود ہیں، اخلاقی مسائل کو لیا جائے تو تعلیم اخلاق کا سب سے بڑا سرچشمہ قرآن کریم ہے اور اس قرآنی اخلاق کی حامل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت ہے ـــ آج جو لوگ اخلاق کی تعلیم دینے کے دعویدار ہیں، وہ خود اخلاق کے معنی سے بھی واقف نہیں۔ فلسفۂ یورپ میں صرف باتیں ہی باتیں ہیں، عملاً کچھ بھی نہیں ـــ اس کے برعکس قرآن کو ماننے اور پڑھنے والے اخلاقی قدروں کے سچے علمبردار ہیں، گفتگو کے آداب، کلام کی باریکیاں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، انسانیت کی عزت و احترام، نفس انسان کی عظمت و مرتبت کون سی بات ہے جو قرآن حکیم نے نہ سکھائی ہو، صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین تو خیر قرآنی اخلاق کے زندہ نمونے تھے ہی، آج سے سو سال پہلے تک مسلمانوں میں قرآنی اخلاق کا اتنا گہرا اثر تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اپنے بچوں کو شریف اور دیندار خاندانوں میں تربیت کے لئے بھیجا کرتے تھے، نئی دہلی میں ایک بہت بڑے افسر تھے، نہایت بلند اخلاق منکسر المزاج، تہجد گذار، بڑے مہذب، بڑے شائستہ، بڑی ٹھہری ہوئی طبیعت کے مالک، انہیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا تھا کہ اتنے بڑے افسر اور اس درجہ خاکساری، لیکن ایک مرتبہ انہوں نے خود ہی بتایا کہ بچپن میں اُن کے والدین نے انہیں حکیم اجمل خان مرحوم کے مکان پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اُن سے اخلاق کی عملی تربیت حاصل کریں، چنانچہ ان میں حکیم صاحب کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

گویا قرآن بہترین معلّم اخلاق ہے، آداب مجلس ہی کو لیجئے، ارشاد ہوتا ہے۔" اے ایمان والو! اگر تمہاری مجلس میں کوئی آئے تو اس کے لئے جگہ کر دو، اللہ تمہارے لئے جنت میں جگہ کر دے گا۔" ـــ یہ اس لئے ارشاد ہوا کہ ہمیں کسی کو حقیر سمجھ کر مجلس میں نہ بٹھانے کی جرأت نہ ہو، اسی طرح انسان اور انسانیت کا احترام قرآن حکیم میں اس حد تک سکھایا گیا ہے کہ اگر مجلس میں تین آدمی بیٹھے ہوں تو اُن میں سے دو آدمیوں کو آپس میں سرگوشی بھی نہیں کرنی چاہئے تاکہ تیسرے کو یہ گمان نہ گذرے کہ شاید اس کے خلاف کوئی بات کی جا رہی ہے۔ گویا قرآن اور اسلام کو کسی کی اتنی بھی دل شکنی گوارہ نہیں ـــ قرآنی اخلاق سے آراستہ ہو کر ہی عرب کے شتربان تھوڑی ہی مدت میں دنیا کے سب سے بڑے حکمران بن گئے، دنیا کی کوئی کتاب اور کوئی تعلیم اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا انقلاب ـــ اخلاقی انقلاب ـــ برپا نہیں کر سکی، کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

دُر فشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا   دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے   کیا نظر تھی جس نے مردوں کو بھی زندہ کر دیا

۲۳ سال کی مدت قوموں کی زندگی میں ایک دقیقہ کا بھی درجہ نہیں رکھتی۔ بیروت کے ایک عیسائی عالم نے اس ہمہ گیر انقلاب کی بدولت قرآن کریم کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن کا آسمانی کتاب ہونا برحق ہے۔ اس لئے کہ انسان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب کبھی اتنا ہمہ گیر اور دیرپا انقلاب ہرگز ہرگز برپا نہیں کر سکتی ـــ جذبات کو ابھارنے کی جتنی قوت قرآن کریم میں ہے۔ اس کا کوئی تحریر مقابلہ ہی کیا کرے گی۔ ایک بار جس نے قرآن کریم کے معنوں پر غور کر لیا، اس کی دنیا ہی بدل گئی ـــ ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض ڈاکو تھے۔ اور ڈاکو بھی ایسے نامور کہ اعلان کرکے ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ ایک رات وہ اسی نیت سے مکانوں کی چھتوں سے گذر رہے تھے کہ ایک روزن سے انہیں کچھ آواز آئی۔ انہوں نے کان روزن سے لگا دیئے، گھر میں کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا، آیت کا مطلب تھا ـــ "کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اللہ کے قرآن کے آگے جھک جائے۔" ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی، تیر کی طرح فضیل کے دل میں اتر گئے۔ ایک دم نعرہ مارا ـــ "ہائے میرے اللہ" ـــ نہ صرف اسی وقت انہوں نے چوری سے توبہ کر لی، بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی کہ آج ان کا شمار صلحائے امت میں ہوتا ہے۔

امام اصمعی کا واقعہ ہے، وہ جنگل سے گذر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آن گھیرا اور ان کی تلاشی لینے لگے، وہ ذرا نہ گھبرائے اور ڈاکوؤں سے پوچھا "تم ایسا کام کیوں کرتے ہو۔" انہوں نے کہا۔ "رزق کے لئے" ـــ آپ نے وہ آیت قرآنی تلاوت کی جس کا مفہوم ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے تمہارا رزق آسمانوں میں مقرر کر دیا ہے۔ وہ تمہیں مل کر رہے گا۔" ڈاکو اس آیت کے سنتے ہی انہیں چھوڑ کر چلے گئے ـــ تین سال کے بعد جب امام اصمعی خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کوئی آکر فرط محبت سے ان سے لپٹ گیا، وہ پہچان نہ سکے، اس پر اس شخص نے بتایا، آپ کو ڈاکوؤں کا وہ واقعہ یاد ہے ـــ میں انہیں ڈاکوؤں میں سے ایک ہوں۔" یہ تھا قرآنی انقلاب!

ہماری حالت الحمدللہ! پچھلے بیس سالوں میں ہمارے ہاں عظیم الشان مادی اور صنعتی ترقی ہوئی ہے۔ تاہم یہ امر تکلیف دہ ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر ہم پہلے سے بھی گر گئے ہیں۔ طرح طرح کی اخلاقی اور روحانی بیماریاں ہم میں گھر کر چکی ہیں، ان تمام بیماریوں کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کا دامن مضبوطی سے تھام لیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ پاک نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ـــ

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کو ہمیشہ محفوظ رکھے گا، لیکن اس نے ہمارے بچانے کا ذمہ نہیں لیا۔

اگر ہم اپنے آپ کو بچانا چاہتے ہیں، تو ہمیں چاہیئے کہ قرآن پاک کو سینوں سے لگالیں، اُس صورت میں اللہ پاک قرآن حکیم کو بچائے گا، تو ساتھ ہمیں بھی بچائے گا۔"

اخلاقی اصلاح کا کام ہر شخص کا اپنا فرض ہے کہ ہر کوئی قیامت میں اپنے متعلق جواب دہ ہوگا۔ اس لئے ہر ایک کو ہر وقت اس کوشش میں لگ جانا چاہیئے کہ اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اونچا کر دے۔

جشن نزول قرآن کی اس تقریب کا مقصد مسلمان کو قرآن کریم کی طرف بلانا ہے، اور قرآن صرف پڑھنے کیلئے نہیں بلکہ عمل کے لئے ہے۔ اگر ہم قرآنی احکام و اوامر کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لیں تو یقیناً ہماری دنیا اور آخرت دونوں سُدھر جائیں ـــــ بعینہٖ اسی طرح جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمان قرآن کریم پر عمل پیرا ہو کر دین اور دنیا دونوں میں سرفراز ہو گئے تھے ـــــ اللہ اپنے حبیب پاک کے صدقے ہمیں اپنی مقدس کتاب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے اور آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے ـــ آمین

صـ ۴۲ سے آگے

یہاں کے عمائدین نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا اور شاہی کروفر کے ساتھ جلوس شہر میں وارد ہوا۔ اس پُرخطر راستے کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ بریلی جاکر انگریزوں کے خلاف نیا محاذ گرم کریں لیکن یہاں کی خبریں انتہائی ناسازگار تھیں۔ لہذا نیپال کا رُخ اختیار کیا اور نیاکوٹ چلی گئیں اور یہیں عُسرت کی زندگی میں آخر ۱۸۷۹ء میں انتقال کیا۔ گویا اکیس سال جلاوطنی کی زندگی گزار کر اپنے اللہ سے ملاقات کی۔

حوالہ جات :- ۱؎ تاریخ اودھ حصہ پنجم　۲؎ محل خانہ شاہی صـ ۱۲۸

۳؎ لڑکیاں جو نامور ہوئیں صـ ۱۵۹　۴؎ ۱۸۵۷ء کے مجاہد صـ ۶

۵؎ مسند نشینی کے مفصل حالات قیصر التواریخ میں موجود ہیں۔

۶؎ قیصر التواریخ جلد دوم صـ ۳۱۲　۷؎ ایضاً صـ ۳۶۷

۸؎ لڑکیاں جو نامور ہوئیں صـ ۱۶۴　۹؎ قیصر التواریخ جلد دوم صـ ۳۳۲ بحوالہ ۱۸۵۷ء کے مجاہد

قرآنِ حکیم ـــــ اور ـــــ تعمیرِ اخلاق

چند خصوصیات

ـــ(سمیع الحق)ـــ

قرآنِ کریم نے انسان کی ان تین قوتوں، قوتِ علمیہ، شہوانیہ، غضبیہ کو حسن حکیمانہ اور معتدلانہ انداز اور مصلحانہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ اعتدال کی راہ پہ لگا دیا کہ یہی حیوانی صفات جہل، ظلم، شہوت کی بجائے علم، عدل، احسان اور عفت کے سرچشمے بن گئے۔ نہ تو اس مختصر وقت میں ان خصوصیات اور امتیازات سے یہاں بحث کی جا سکتی ہے، اور نہ یہ ایک کم سواد طالب العلم کے بس کی بات ہے، البتہ مختصراً دو ایک خصوصیات سے بھی قرآنِ کریم کے اندازِ اصلاح پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

قرآنِ کریم نے تعمیرِ اخلاق اور اصلاح رذائل نفسانی میں انسانی فطرت کی کمزوری، بے بسی، ناتوانی اور مخاطبین کے مزاج، ذہنیت، ماحول اور نفسیاتی تقاضوں کی پوری رعایت رکھی، جہاں سختی کی ضرورت تھی وہاں اسے ملحوظ رکھا اور تطہیر اخلاق کے لئے حدود و تعزیرات اور تنبیہات سے بھی کام لیا گیا، مگر عموماً سختی اور درشتی کی بجائے نرمی اور رأفت، آمریت کی بجائے شفقت و محبت، تحکم کی بجائے استدلال، عجلت کی بجائے تدریج، تشدد کی بجائے تیسیر اور حکمتِ عملی، عیب جوئی اور تنقید کی بجائے موعظت، خیر خواہی اور اغماض و تسامح کا طریقہ اختیار فرمایا: ما جعل علیکم فی الدین من حرج[1]۔ اور لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها[2]۔ اور یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[3] جیسے زریں اصول اصلاح معاشرہ اور تعمیرِ اخلاق میں بھی ملحوظ رہے۔ وہ اخلاقی خرابیوں سے آسودہ طبائع کو رفتہ رفتہ خرابیوں اور اس کے نتائج سے خبردار کراتے ہوئے پاکیزگی کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہ اسکی ایک ایسی خوبی ہے، جسکی وجہ سے ہر زمانہ میں اخلاق رذیلہ کی خوگر طبیعتیں

---

[1] اور نہیں رکھی اللہ نے تم پہ دین میں کچھ مشکل۔ [2] اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جسقدر اسکی گنجائش ہو۔

[3] اللہ چاہتا ہے تم پہ آسانی اور نہیں چاہتا تم پہ دشواری۔

مومنانہ اخلاق سے آراستہ اور سرکش مزاج والے تسلیم و انقیاد پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مشہور مفسر امام قرطبی نے قرآنِ کریم اور شریعتِ اسلامیہ کی اس خوبی کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

ان اللہ لم یدع شیئاً من الکرامۃ والبر الا اعطاھذہ الامۃ ومن کرامتہ واحسانہ انہ لم یوجب علیھم الشرائع دفعۃً واحدۃً ولکن اوجب علیھم مرۃً بعد مرۃٍ۔[1] ...	اللہ تعالیٰ نے احسان اور شرافت کی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو اس امت کو عنایت نہ فرمائی ہو اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اس امت پر خاص کرم ہے کہ اس نے تشریعات (انسانی اور اخلاقی قدریں) یکبار لازم نہیں کیں بلکہ آہستہ آہستہ اس امت کو اس کا مکلف ٹھہرایا۔

دیگر شرائع اور صحف سماوی کے مقابلہ میں یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ یکبارگی نزول کی بجائے تیئس ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں شرائع اور احکام کی تکمیل ہوئی اور یہ اس تدریج و تیسیر کی واضح علامت ہے۔ اس حکیمانہ اندازِ تعمیرِ انسانیت کے لئے قرآنِ کریم کا اصل الاصول یہ ہے کہ:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔	بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے انکو جسطرح بہتر ہو۔ (شیخ الہندؒ)

باہمی بغض و عداوت اخلاقی برائیوں کی جڑ اور تمام نیکیوں کو کھا جانے والی اخلاقی خرابی ہے۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ محبت، حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کے ذریعہ تیرے دشمن کی بد خلقی محبت اور خلوص میں بدل سکتی ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔	برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا گہرا اور گرمجوش دوست بن گیا ہے۔

حکیمانہ اسلوب کی ایک واضح مثال | قرآنِ کریم میں اس حکیمانہ اور تدریجی اصلاح کی ایک واضح مثال تحریم خمر کا واقعہ ہے۔ شراب نوشی ام الخبائث اور رذائل نفسانی کی جڑ ہے۔ فقدانِ عمل، قوائے انسانی کا تعطل اور جمود، ضعفِ قلب، جنون، کذب بیانی، بغض و عداوت، شر و فساد، معاشرتی

---

[1] تفسیر قرطبی صہ ۵۲

اور عائلی زندگی کی بربادی، شہوانی قویٰ کی برانگیختگی، بے اعتدالی اور دیگر اخلاقی جرائم اس کے لازمی ثمرات ہیں۔ صرف زناکاری کو لیجئے ۱۹۵۹ء میں برطانیہ کے معاشیاتی ریسرچ کونسل نے ناجائز اولاد زناکاری اور بدمستی کا ذمہ دار کثرت مے نوشی کو قرار دیا۔ قرآنِ کریم نے صدیوں سے شراب کا خوگر معاشرہ کو یکلخت ایک ہی "آرڈیننس" کے ذریعہ منع نہیں فرمایا، بلکہ شراب نوشی کے قبائح کی طرف توجہ دلاتے ہوئے، بقول معالم التنزیل حرمتِ خمر کے سلسلہ میں چار آیات نازل فرمائیں اور یہ اس لئے کہ بقول صاحبِ تفسیر خازن خداوندِ کریم کو عربوں کا مدتوں سے شراب کے خوگر ہونے کا علم تھا، دفعۃً انہیں روکنا ان پر شاق گذرتا اس لئے مختلف مرحلوں پر اس کا اثم کبیر، رجس، اور عمل الشیطان ہونا ذہن نشین کرایا اور انہیں سمجھایا گیا کہ شیطان شراب نوشی اور جُوا بازی وغیرہ کے ذریعہ تمہیں باہمی بغض وعداوت اور خدا سے غفلت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، اس طریقہ تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک استفہامی جملہ فھل انتم منتھون۔ سن کر سارا معاشرہ یکسر شراب نوشی سے بیزار ہوگیا۔ جس کی نظیر قرآنِ کریم کے فطری اور معتدلانہ تعلیمات کے علاوہ کسی دوسری قدیم اور جدید اصلاحی تحریک یا کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی۔ دنیا کے دیگر اخلاقی اور قانونی ضابطے اس خرابی کی اصلاح میں اپنی بے بسی ثابت کر چکے ہیں۔ آج کی بیسویں صدی کی بے بسی کا تو عجیب عالم ہے، اس بے بسی کا نتیجہ ہے کہ شراب نوشی ہندی، مصری، یونانی، رومی، اسرائیلی اور مسیحی تہذیب میں حرام نہیں۔ مسیحی مذہب نے تو اسے نماز کا جزبنا ڈالا ہے اور گرجے میں کھڑے ہو کر شراب پینے کو ثواب قرار دیا ہے[1]۔ ہندیوں میں دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کیلئے شراب کا چڑھاوا دیا جاتا ہے۔ اور اس میں تقدس پیدا کرنے کیلئے اس کا نام گنگا جل رکھ دیا گیا ہے[2]۔

اس سلسلہ میں قانون کی بے بسی کی واضح مثال امریکہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے جس نے قانون کے ذریعہ شراب نوشی ختم کرنی چاہی، اور نتیجہ میں بجائے ختم ہونے کے شراب نوشی میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔ لاکھوں بھٹیاں خفیہ طور پر قائم ہوئیں اور قانون توڑنے کا رجحان سارے ملک پر چھا گیا اور مجبوراً امریکہ کو بہت جلد یہ حکم واپس لینا پڑا۔ یہ صرف قرآنِ حکیم کا حکیمانہ اندازِ اصلاح ہی تھا جس نے سرولیم میور جیسے متعصب مؤرخ کو بھی اس اعتراف پر مجبور کر دیا کہ اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ مے نوشی میں جیسا وہ کامیاب رہا اور کوئی مذہب نہیں ہوا[3]۔

اسی طرح ڈاکٹر بیٹوم نے تحریمِ خمر کو محاسنِ شریعت اسلامیہ اور پروفیسر ٹوائن بی نے اسلام

---

[1] النصرانیت جیرانیت کی راہ پر ص۲۱۵ [2] رحمۃ للعالمین [3] لائف آف محمدؐ

کا قابلِ فخر کارنامہ قرار دیا۔

تدریجی اصلاح کی چند اور مثالیں | پردہ کے حکم میں بھی قرآنِ حکیم نے یہی تدریجی طریقہ اختیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی زندگی میں بھی اس حکیمانہ طریق اور لوگوں کے حالات اور طبائع کی رعایت اور شفقت و حکمت کا پہلو واضح طور پر موجود ہے۔ ایک دفعہ مسجد نبوی کے صحن میں ایک بدو نے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہؓ نے انہیں ڈانٹنا چاہا۔ (گویا سختی سے اصلاحِ اخلاق کرنا چاہی) آپ نے روک کر فرمایا کہ تم سختی کے لئے نہیں بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو۔ پھر بدو کو حاجت سے فراغت کے بعد بلایا اور بہت پیار اور محبت سے سمجھایا کہ اے عزیز! یہ مساجد اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ یہ عبادت کے گھر ہیں۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ اس پہ پانی بہا دو۔ ایک یہودی نے آکر ایک معاملہ میں ناحق طور پر نہایت گستاخی سے حضورؐ کو جھنجوڑا اور ترش لہجہ میں بات کر کے حضورؐ کی ساری قوم پر بھی طعنہ زنی کی۔ حضرت عمرؓ نے آپے سے باہر ہو کر اُسے ڈانٹنا چاہا۔ حضورؐ نے انہیں روک کر فرمایا کہ بجائے سختی کے تم اس یہودی کو اچھے طریقے سے اپنا حق مانگنے اور مجھے بہتر طریقہ پر اسکی ادائیگی کا کہتے تو اور بھی بہتر ہوتا۔ امام احمدؒ اپنی مسند میں حضرت ابو امامۃؓ صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک نوجوان نے حضورؐ کی خدمت میں آکر زنا کی اجازت چاہی، صحابہؓ پر یہ گستاخی بہت شاق گذری، انہوں نے ڈانٹنا چاہا۔ حضورؐ نے انہیں روک کر نوجوان کو اپنے قریب بلایا اور زنا کی خرابی اُس کے ذہن نشین کرانے کیلئے اس سے بتدریج دریافت کیا کہ کیا تم اس برائی کو اپنی ماں اپنی بیٹی اپنی بہن اپنی پھوپھی اور خالہ کیلئے پسند کرو گے؟ اس نے جب کہا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماں، بہن کے ساتھ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ان سوالات سے جب اس کا خوابیدہ ضمیر اور حاسۂ انسانی بیدار ہوا۔ تو پھر حضورؐ نے اس کے سر پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور دُعا فرمائی:

اللھم اغفر ذنبہٗ وطھر قلبہٗ	اے اللہ اس کے گناہ معاف اور اس کا دل
واحصن فرجہٗ [1]	پاک کر دے اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

اس تعلیم کا اعجازی کرشمہ تھا کہ اس شخص کو پھر کبھی زنا کا خیال تک نہیں آیا۔

رعایت طبائع کی ایک مثال وہ ہے جب کہ بعض لوگوں نے اسلام لانے کے سلسلہ میں

---

[1] ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸

صرف دو وقت نماز پڑھنے کی شرط پیش کی حضورؐ نے اسے مان لیا کہ کافر رہنے کی بجائے اسلام لاکر دو نمازیں پڑھنا بہتر تھا۔ اسی طرح بنو ثقیف کے وفد نے بھی اسی قسم کی شرائط پیش کیں۔ آپ نے قبول فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ لوگ خود یہ سارے کام کرنے لگیں گے[۱] اس وقت ایمان کی قدر معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایسی شرائط پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اسلام کے بعد یہ لوگ تمام عبادات کو بجالانے لگے۔ خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے قومی مزاج کو ملحوظ رکھنے کی طرف اشارہ فرمایا کہ تیری قوم اگر قریب بعہدِ اسلام نہ ہوتی تو میں ضرور ایسا کرتا۔ ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ قرآن کریم اور اسلام عادات اور ماحول بدلنے کے لئے مخاطب کے مزاج اور نفسیات، برائیوں کا رسوخ اور امتداد ملحوظ رکھتے ہوئے اصلاح میں تدریجی رفتار پسند کرتا ہے۔ اس بارہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کا یہ بہترین طرزِ عمل نگاہوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے اکثر اصلاحی کوششیں بے اعتدالی اور تشدد کی وجہ سے بجائے اصلاح کی مزید خرابیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ تاریخ میں کئی ایسے ادوار آئے کہ دعوت میں طریقِ حکمت اختیار نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑا، پروفیسر آرنلڈ نے دعوتِ اسلام میں لکھا ہے کہ زار روس نے جو بت پرستی سے متنفر ہوگیا تھا اس شرط پر اسلام لانے کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ وہ شراب پینا ترک نہ کرے گا۔ اس وقت کے علماء نے اس شرط کو قبول نہ کیا اور زار روس نے عیسائیت اختیار کی۔ اگر اسلام کا حکیمانہ طریق نظر انداز نہ کیا جاتا تو شاید آج سویٹ یونین کی حالت دوسری ہوتی ولکن امر اللہ کان مفعولا۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسلام کسی منکر اور فحشاء سے مصالحت کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ جزئیات کے ازالہ کی بجائے پہلے برائی کے سرچشمہ کفر، شرک اور جہل یا کسی بنیادی خرابی کو پکڑ لیتا ہے جس کے بعد خود بخود دوسری برائیاں زائل ہو جاتیں۔ مثال کے طور پر حضورؐ کی مجلس میں ایک شخص نے اپنی کئی برائیاں شراب نوشی، زنا، جھوٹ وغیرہ بیان کیں اور اس شرط پر اسلام لانا چاہا کہ کسی ایک برائی سے مجھے فی الحال روک دیا جائے۔ حضورؐ نے برائیوں کی جڑ جھوٹ سے اُسے منع فرمایا۔ جو اسے بظاہر بڑی آسان بات محسوس ہوئی۔ مگر بعد میں دیگر برائیوں کا ارادہ کرتے ہوئے جب اسے حضورؐ کے دریافت فرمانے کا خیال آتا جبکہ جھوٹ سے احتراز کرنے کا وعدہ کر چکا تھا تو خود بخود دیگر برائیاں بھی چھوٹ گئیں ــــ اس سلسلہ میں حضورؐ کا ایک جامع اور زریں نصیحت وہ ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ فرماتے وقت ارشاد فرمائی ــ فرمایا

بشرا ولا تنفرا یسرا ولا تعسرا لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور نفرت مت دلاؤ
تطاوعا ولا تختلفا۔ [۱] آسانی کرنا اور سختی مت کرنا باہمی تعاون کرنا اطاعت
---- سے رہنا اور اختلاف مت کرنا۔

انہیں تلقین کی کہ پہلے ایمان و اسلام اور اس کے بعد نماز پھر زکوٰۃ پھر روزہ کی تلقین کرنا۔ صحابہ کرام کے تزکیۂ نفوس میں حضورؐ کو جو بے مثال کامیابی ہوئی قرآن حکیم نے خاص طور سے حضورؐ کے اس وصف کو سراہا ہے۔

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو سو اللہ ہی کی رحمت سے تو نرم دل مل گیا ان کو اور
کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا اگر تو تندخو اور سخت دل ہوتا تو متفرق ہو جاتے
من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم [۲] تیرے پاس سے پس تو ان کو معاف کر اور ان کے
---- واسطے بخشش مانگ۔

دوسری خوبی ہمہ گیری | قرآن کریم اور اسلامی اخلاقیات کی ایک اور خوبی جو اسے دیگر تمام مکاتب اخلاق سے ممتاز کرتی ہے اسکی وسعت جامعیت عالمگیری اور ہمہ گیری ہے۔ اس نے صرف اخلاق محمودہ اور رذائل اخلاق کے اصول بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ معمولی معمولی جزئیات کا استقصار اور احاطہ کیا ہے۔ وہ اخلاق اور مذہبی تقاضوں کو صرف دنیا یا صرف فرد تک محدود نہیں رکھتا بلکہ انہیں دنیوی و اخروی تمدنی، عمرانی، معاشی اور معادی معاشرتی اور اجتماعی تمام شعبوں پر لاگو کرتا ہے۔ اس کا نظام اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدنیۃ اور تمام قومی و بین الاقوامی معاملات پر محیط ہے یہاں تک کہ انسان کی اخلاقی اور نفسیاتی کیفیتوں اور زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہا۔ اس میں خویش و اقارب یتیموں، بیماروں، ہمسایوں، حاکم اور رعایا اور اجنبیوں کے حقوق کے ساتھ تمام بنی نوع انسان کے بلالحاظ ملک و ملت یہاں تک کہ حیوانات تک کے حقوق متعین ہیں۔ زندگی کے ہر نشیب و فراز اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے، رہنے سہنے پہننے، قضائے حاجت، طہارت۔ سفر و حضر خوشی اور ماتم سب کے آداب موجود ہیں۔

مغربی تہذیب اخلاقی اقدار کو انفرادی معاملہ سمجھتی ہے۔ | برخلاف اس کے دیگر مذاہب نے اخلاق کو فرد کا ایک انفرادی معاملہ سمجھا مذہب کو سیاست اور حکومت سے الگ قرار دیا۔ عیسائیوں کا مشہور

---

[۱] ابوداؤد [۲] آل عمران

مقولہ ہے کہ ملک خدا کا اور حکومت بادشاہ کی، نیز یہ کہ پوپ کا حصہ پوپ کو دو اور بادشاہ کا حصہ بادشاہ کو دو ـــــ آج کی مغربی تہذیب انسانی اقدار کو ایک انفرادی معاملہ سمجھتی اور اپنی اجتماعی و تمدنی زندگی کو ہر اخلاقی رکاوٹ سے آزاد سمجھتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی شخصی اور طبقاتی نظریۂ اخلاق پر مبنی اخلاقیات میں یہ صلاحیت نہیں کہ زندگی کے ہر موڑ پر وہ رہنمائی کر سکیں اور ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل پذیر ہو۔

تیسری خوبی | اسی طرح اخلاقیاتِ اسلام کی عالمگیری کو لیجئے دوسرے اخلاقی معلموں نے کسی مخصوص ملک یا کسی مخصوص قوم یا صرف دنیاوی زندگی اور خاص حالات تک اپنی اخلاقی تعلیمات ملحوظ رکھے اور پوری انسانیت کو بحیثیت عیال اللہ[۱] اپنی ہدایات کا مستحق نہ سمجھا ارسطو جیسے اخلاقیات کا بہت بڑا معلم سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سارا نظامِ اخلاق یونانی اور غیر یونانی کی تفریق پر مبنی ہے۔ اس معاملہ میں ارسطو اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ غیر ملکیوں کے ساتھ حیوانات تک کا برتاؤ ضروری سمجھا، ارسطو کی تقلید میں حکمار یونان نے اخلاقیات کی جو فہرست مرتب کی اس کا اوّلین عنوان حبّ الوطنی ہے، پھر وہ بھی اتنا محدود کہ تاریخ اخلاق یورپ[۲] کا مصنّف لکھتا ہے کہ ایک فلاسفر نے جب یہ کہا کہ میری ہمدردیاں صرف میرے وطن سے نہیں پورے یونان سے ہیں تو لوگ حیرت و استعجاب سے اسے دیکھنے لگے۔ یہی حال موجودہ مغربی تہذیب کا ہے جس کی اساس ہی نظریہ وطنیت اور قومیت پر ہے۔ امریکہ جسے حقوقِ انسانی کا منشور ایجاد کرنے کا دعویٰ ہے اس ملک میں کالے اور گورے قومی اور غیر قومی ملکی اور اجنبی کے نام سے جو انسانیت سوز ڈرامہ کھیلا جارہا ہے وہ کس پر مخفی ہے۔؟ ثقافت اور تعلیم تک کے میدانوں میں کسی سیاہ فام کو سفید فاموں کے ساتھ یکجا ہونے کی اجازت نہیں۔ فلوریڈا کی ریاست میں تو نصابِ تعلیم تک میں گوروں اور کالوں کا امتیاز رکھا گیا ہے۔ معاشی میدانوں میں کسی سیاہ فام کو یہ حق بھی نہیں کہ اُن دروازوں پر گذر سکے جو سفید فاموں کے آنے جانے کیلئے مخصوص ہیں۔ امریکہ کی تمام ریاستوں میں کسی سفید فام کو حبشی عورت یا سیاہ فام کو حبشی مرد سے نکاح کی اجازت نہیں خواہ اس کے خون میں کسی سیاہ فام کے خون کا ۱/۸ حصّہ کیوں شامل نہ ہو۔ تقریباً ۱۴ ریاستوں میں ریل گاڑیوں، بسوں، ہسپتالوں، ٹیلیفون کے کمروں تک میں یہ نسلی امتیاز برتا جارہا ہے ـــــ جیمز بیرنز امریکی سنات کے ممبر کہتے ہیں کہ

---

[۱] حضورؐ کا ارشاد ہے: الخلق عیال اللہ۔ ساری مخلوق خدا کا گھرانہ ہے۔

[۲] ص ۱۶۴ ص ۱۸۶ از دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

نہ کسی سیاہ فام کو یہ حق نہیں کہ وہ سیاسی مساوات کے خیالات کو ذہن میں بھی لائے جیسا کہ جنوبی ریاستوں میں ہو رہا ہے۔ یہ ملک سفید فاموں کا ہے۔ اور اسی پوزیشن میں رہے گا"۔۔۔ یہی حال ہندوستان کی برہمنیت کا ہے جسکی بنیاد ذات پات اور قوم ونسل کی تفریق پر رکھی گئی ہے۔ ایران اور جاپان کے قدیم تہذیبوں میں بادشاہ اور اس کا خاندان تمام اخلاقی حدود اور تقاضوں سے آزاد تھا۔ بادشاہ اور رعایا کی اس تفریق کے نمایاں اثرات آج بھی برطانیہ اور جاپان میں پائے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے قانون میں یہ بات شامل ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔ اسلامی تعلیمات نے تمام مخلوق کے ساتھ یکساں معاملہ کیا۔ وہ پوری انسانی آبادی کو الخلق عیال اللہ۔ خدا کا گھرانا قرار دیکر یکساں طور پر بنی آدم سے اخلاقی اور روحانی اقدار کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی مجد وشرف کا معیار کوئی خاص نسل قوم، قبیلہ یا کوئی خاص رنگ یا وطن نہیں بلکہ فضیلت وکرامت کا مدار صرف اور صرف تقویٰ نفس کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی پر ہے۔ معاشرہ کا کوئی فرد خواہ حاکم ہو یا رعیت، غریب ہو یا امیر، مسلم ہو یا غیر مسلم، شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا انبیاء و اولیاء اور دیگر عباد مقربین سے۔ وہ یکساں طور پر سب کو ایمانی اور اخلاقی تقاضوں کا پابند کرانا چاہتا ہے۔

یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثی	اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت
وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا	سے پیدا کیا اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔	تاکہ تمہیں آپس کی پہچان ہو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے
	زیادہ عزت اسکی زیادہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔

....

اس کے نزدیک فلاح آخرت کیلئے سوائے عمل صالح کے کوئی رشتہ اور مادی حیثیت کارآمد نہیں۔

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم	پھر جب پھونکا جائے گا صور تو نہ قرابتیں کام
ولا یتساءلون۔	آئیں گی ان میں اور نہ ایک دوسرے کو پوچھ سکیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم	ہرگز کام نہ آئیں گے قیامت کے دن تمہارے
یوم القیامۃ یفصل بینکم	کنبے والے اور نہ تمہاری اولاد اللہ فیصلہ کرے
واللہ بما تعملون بصیر۔	گا تم میں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

ان آیات کے علاوہ تقریباً تنتیس مقامات میں صراحۃً مذکور ہے کہ قیامت کے دن کام آنے والی چیز صرف ایمان اور عمل صالح ہے۔ اسی طرح وہ عبادات کے ذریعہ عملاً مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اپنے

پیغمبر کے ذریعہ عمل صالح اور اخلاق حسنہ کے علاوہ تمام قومی وطنی اور لونی ونسلی امتیازات ختم کراتا ہے۔

لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لا اسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الا بالعلم والتقویٰ۔ کسی عربی کو کسی عجمی شخص پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو سرخ رنگ والے پر نہ کسی سرخ رنگ والے کو کالے رنگ پر کوئی فضیلت ہے۔ ہاں فضیلت کا معیار صرف علم اور تقویٰ ہے۔

.....

قرآن پاک نے اخلاقی اقدار کے قیام میں مساوات کی تاکید کی | اخلاقی حدود کے قیام کے سلسلہ میں قرآن کریم کسی کے ساتھ رو رعایت برتنے سے روکتا ہے اور اس راہ میں کسی رواداری اور اغنیانہ کا روادار نہیں، قیام عدل میں اُسے ہر حال میں مساوات ملحوظ ہے۔

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم والوالدین والاقربین۔ اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ اس میں نقصان ہو تمہارا یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کا۔

۲۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل چھوڑنے کا باعث نہ ہو عدل کرو بیشک یہ تقویٰ کے قریب ہے۔

...

۳۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت و انزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔ ہم نے اپنے رسول نشانیاں دیکر بھیجے اور ان کے ساتھ اتاری کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر۔

۴۔ ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔ اور رکھا اللہ نے ترازو کہ زیادتی مت کرو ترازو میں اور سیدھا ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو۔

۵۔ وزنوا بالقسطاس المستقیم ذلک خیر واحسن تاویلا۔ اور تولو سیدھے ترازو سے یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام۔

۶۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے اور بھلائی کرنے کا۔

۷۔ اعدلوا هو اقرب للتقوٰی ۔ عدل کرو یہ نزدیک ہے پرہیزگاری کے۔

۸۔ قل آمنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم تو کہہ میں ایمان لایا ہر کتاب پر جو اتاری اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تم میں۔

حضورؐ نے اسلام کے معتدلانہ اخلاق اور حدود کے قیام میں کسی کی رعایت نہ کرنے اور مساوات برتنے کی عملی تعلیم خود اپنے گھر سے شروع کی۔ حجۃ الوداع میں تمام جاہلانہ صفات اور قبائح کی پائمالی کا اعلان کرتے ہی اپنے خاندان کے عہد جاہلیت کے خصومات خونی بدلوں اور سود وغیرہ کو یکسر ختم کر دیا چوری ایک اخلاقی برائی ہے۔ ایک بار اس جرم میں قریش کی ایک عورت پکڑی گئی۔ اور بعض عزیز ترین صحابہؓ نے سفارش کرنا چاہی تو آپ نے اسے روک کر فرمایا : تم میں سے پہلی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان کے معمولی لوگ گناہ کرتے تو ان کو سزا دی جاتی اور جب بڑے لوگ گناہ کرتے تو انکو نظر انداز کر دیا جاتا۔ پھر اس کے بعد فرمایا۔ کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمۃ الزہراء (عصمہا اللہ) بھی اگر یہ جرم کرے تو میں اللہ کے قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ لوں گا۔ وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا [۱]۔

ایک اور موقعہ پر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا کہ اے لوگو خوب جان لو قیامت کے دن وہی لوگ میرے عزیز ہوں گے جو زندگی میں خدا سے ڈرتے ہوں۔ اور تم باوجود رشتہ داری کے میرے عزیز نہیں ہو گے، تم میرا نام لے لے کر پکارو گے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم فلاں کے بیٹے ہیں، مگر میں کہوں گا کہ تمہارا خاندان تو معلوم ہوا مگر تمہارے اعمال کہاں ہیں ۔؟ تم نے خدا کی کتاب نظر انداز کر دی تو اب جاؤ میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ نہیں (اوکما قال) ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ۔۔۔ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور بقول اقبالؒ مرحوم ؎

نے افغانیم نے ترک و تتاریم ! ۔۔۔ چمن زادیم از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است ۔۔۔ کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

قرآنی اخلاقیات کے اس مساویانہ برتاؤ کا نتیجہ ہے کہ ہمیں تاریخ اسلامی میں بڑے بڑے حکام اور خلفاء وقت ایک غریب رعایا کی جوابدہی کیلئے عدالت کے کٹہرے میں برابر کھڑے اور فیصلہ پر سر تسلیم خم

---

[۱] متفق علیہ

کرتے نظر آتے ہیں۔

قرآنی اخلاقیات میں ایک عجیب ربط و ترتیب | اخلاقیات کے عمیق مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی و فکری قوتوں سے متعلق اخلاق اصول کی حیثیت اور جسمانی و عملی قوتوں سے متعلق اخلاق و اعمال فروع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض تو اخلاق کے لئے بنیادی کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر مزید اخلاق استوار ہوتے ہیں۔ اور ایک خدائی اخلاقی نظام میں اس کی طبعی ترتیب ملحوظ رکھنا ضروری تھی۔ چنانچہ قرآنِ کریم نے بھی اخلاقیات کے بیان میں اسکی یہ طبعی ترتیب ملحوظ رکھی اور ایک مضبوط عمارت کیطرح انسانی اخلاق کی تعمیر ایک سے دوسری کڑی اور بنیاد پر کرنا چاہی پھر اس کے متعلق ظاہری اخلاق کو بھی بیان کر دیا تھا کہ ان کے ہونے نہ ہونے سے باطنی صفات کی موجودگی یا غیر موجودگی کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور یہ ظاہری اعمال و اخلاق ان باطنی صفات کے لئے بمنزلہ شاہدِ عدل اور کسوٹی کا کام دیں۔ یہاں صرف اسکی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ جو مرد اور عورت دونوں پر یکساں حاوی ہے۔

ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمؤمنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجھم والحافظات والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں۔ اور صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں خاکساری کرنے والے مرد اور عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور عورتیں اور روزہ دار مرد اور عورتیں اور حفاظت کرنیوالے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ اللہ نے رکھی ہے ان کے واسطے معافی اور بہت بڑا ثواب۔

اس آیت میں دس چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اسلام، ایمان، قنوت، صدق، صبر، خشوع، تصدق، صوم، شرمگاہ کی حفاظت، ذکر اللہ، ان سب کے بیان میں طبعی ترتیب ملحوظ ہے۔ کیونکہ اخلاقیات اور عبادات کا سرچشمہ ایک خالق و مالک ذات پر ایمان و یقین ہے۔ اس کا اعلیٰ درجہ ایمان اور دوسرا درجہ اسلام ہے۔ پھر اس کے بعد اوامر خداوندی کی اطاعت کا درجہ ہے۔ اور جب انقیاد پیدا ہو تو گفتار و کردار میں سچائی آجاتی ہے۔ ان صفات میں سے چار یعنی ایمان و قنوت صبر، خشوع اور ذکر اللہ

کا تعلق باطن اور دل سے ہے۔ اور چار صفات یعنی اسلام، صدق، تصدق، صوم اور اجتناب عن الفواحش کا تعلق ظاہری جوارح سے ہے ان چار صفات میں ہر صفت پہلی صفات کے لئے یعنی ایمان کے لئے اسلام قنوت کیلئے صدق اور صبر و خشوع کے لئے تصدق اور صوم اور ذکر اللہ یعنی استحضار خداوندی کیلئے شرمگاہ کی حفاظت ظاہری دلائل اور مظاہر ہیں۔ قوتِ علمی، شہوانی اور غضبانی کی اصلاح کے لئے اس ترتیب طبعی کی رعایت سورۃ فاتحہ اور آیت ان اللہ یا مر بالعدل والاحسان وینھی عن الفحشاء والمنکر۔ وغیرہ آیات میں بھی کی گئی ہے جسکی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں۔

اخلاقی تعلیمات کے سلسلہ میں قرآنِ کریم کی ایک اور خوبی جو اسے دیگر قانونی دفعات اور اصلاحات سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا تکرار اور بار بار مختلف اسالیب اور پیرایوں میں اخلاقی اقدار کا دہرانا ہے۔ انسان کی نفسیات پر اس کی نظر ہے۔ اور وہ محض رسمی اور قانونی طور پر اخلاقِ فاضلہ یا اخلاق مذمومہ کے بیان پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے مخاطبین کے دل و دماغ میں اسکی اہمیت نقش کرتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے وہ ترغیب و ترہیب کے تمام پہلوؤں سے کام لیتا ہے۔ یہاں ہم مثال کے طور پر بعض اخلاقیات قرآنی کے تکرار پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ تقویٰ جو اخلاق و اعمال کی حقیقت جامعہ ہے۔ قرآن کریم میں صرف لفظ اتقوا اور متقین، اتقون، اتقی کے ضمن میں ایک سو پچیس (۱۲۵) مقامات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اسطرح احسان کا ذکر صرف لفظ احسان اور محسنین کے ضمن میں چورانوے دفعہ شکر کا ذکر لفظ شاکر، شکور، اشکر اور شاکرین کے ضمن میں ستاون مقامات پر اور تکبر کا ذکر لفظ استکبار اور متکبرین کے ضمن میں تیس مرتبہ صبر کا ذکر اصبرو، صابر اور صابرین کے ضمن میں ۴۶ مرتبہ، توکل کا ذکر توکل، توکلت، توکلنا، توکلوا کی شکل میں ۲۳ مرتبہ ظلم کا ذکر صرف ظالم اور ظالمون و ظالمین کے ضمن میں ایک سو انیس (۱۱۹) دفعہ آیا ہے۔ ان صیغوں کے علاوہ دیگر مشتقات کے ضمن میں ان چیزوں کا ذکر اس سے علاوہ ہے۔ اور اس تخمینہ میں بھی مذکورہ اعداد کوئی حتمی نہیں ہیں بلکہ تلاش سے اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اخلاقی تعلیمات کے اس تکرار اور کثرت سے مقصود مخاطبین کے دلوں میں اخلاقیات کا راسخ کرانا ہی مقصود ہے۔ کذلک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا، اسی طرح اتارا (ہم نے قرآن) تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو۔

تعلیماتِ قرآن کریم کی ان گنت خوبیوں میں بطور نمونہ ان ہی دو چار خوبیوں کے بعد آخر میں اسکی

ایک سب سے اہم خصوصیت بیان کرنے کے بعد اس مضمون کا اختتام کیا جاتا ہے۔

قرآنی اخلاق کا عملی نمونہ | قرآن کریم کی اخلاقی تعلیمات کی ایک عجیب وغریب خصوصیت جو اسے دوسرے تمام اخلاقی فلسفوں اور اخلاقی تعلیمات سے ممتاز بناتی ہے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ شخصیت کی شکل میں ان تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔ حضورؐ کے علاوہ دیگر انبیاء کی سیرت اور اخلاقی زندگی کی نہ صرف یہ کہ پوری تصویر اور شبیہ ان مذاہب کی کتابوں میں موجود نہیں بلکہ اکثر مصلحین امم اور انبیاءؑ تک کی سیرت اور اخلاقی حالات ان کے پیروؤں نے تحریف وتبدل کی وجہ سے داغدار کر دی ہے۔ یہ صرف قرآن اور اسلام ہی ہے جو تمام انبیاء کرام کا یکساں طور پر تطہیر وتزکیہ اور تعدیل کرتا ہے۔ اسکی تعلیم ہے کہ نبی ہر قسم کے انسانی عیوب ونقائص اور اخلاقی خرابیوں سے پاک اور منزّہ ہے۔ لانفرّق بین احد من رسلہ۔ مگر خود ان انبیاء کرام کے متبعین کے سامنے ان انبیاء کی اخلاقی تعلیمات کی طرح ان کی سیرت و صورت اور اخلاق وکردار کا کوئی ایسا مرقعہ نہیں جسے وہ اپنا اسوہ بنا سکیں۔ پھر اس پر بس نہیں بلکہ ہندوستان، یونان، روم، چین، ایران اور وسط ایشیا کے بعض ممتاز اخلاقی مصلحین مثلاً ارسطو، افلاطون اور کرشن جی وغیرہ کی جو شبیہ ہم تک پہنچائی گئی ہے، اسے بعض گھناؤنے اخلاقی جرائم سے بھی داغدار کر دیا گیا ہے۔ اس پورے عالم میں صرف آپؐ ہی کی ذات ہے جن کی زندگی کا کوئی گوشہ دنیا سے مخفی نہیں لیلھا کنہارھا روشنی ہی روشنی اور دن ہی دن ہے — اس آفتاب وماہتاب کی حسن ورعنائی اور تابانی پر ذلیل سے ذلیل دشمن بھی انگلی نہیں رکھ سکتا۔ آپ کی ذات قرآن کریم کی تعلیمات کا حسین پیکر، اخلاقیات انسانی کی ایک جیتی جاگتی تفسیر اور تزکیۂ باطن و ظاہر کی ایک خوبصورت تصویر ہے۔ پس جیسا کہ قرآن اخلاق انسانی کا علمی نمونہ ہے۔ تو حضور اقدسؐ اخلاق کا عملی نمونہ ایک علمی قرآن ہے تو دوسرا عملی قرآن، اور بنی نوع انسان کی اصلاح وہدایت اور تعمیر اخلاق کیلئے کہ یہ بھی صرف دین فطرت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ کہ صرف کتابی اور قالی تعلیمات پر بس نہیں بلکہ تعلیمات قرآنیہ کا ایک عملی اور حالی نمونہ بھی دنیا کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اور حضورؐ کی شکل میں اخلاق کی ایک ایسی تصویر پیش کر دی گئی جسے سامنے رکھ کر قیامت تک دنیا کے باشندے اپنے خدوخال درست کر سکیں۔ بیشک آج دنیا کے سامنے سیرت مطہرہ کی شکل میں وہ آئینہ مصفا موجود ہے جس میں قرآن کے تمام اصول وفروع ظاہر وباطن، اعیان وکیفیات کا ایک ایک نقش تابندہ ونمایاں ہے۔ دونوں کی اس باہمی

یگانگت اور موافقت نے ایک کو عملی اور دوسرے کو علمی کتاب بنا دیا ہے جن میں سے ہر ایک کی تشریح اور تبیین دوسرے کے بغیر ناممکن ہے۔ یہی وہ عملی کتاب ہے جسے خدا نے انک لعلیٰ خلق عظیم کی سند مجدد شرف سے نوازا اس خلق عظیم کے بارہ میں جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔؟ وکان خلقہ القرآن۔ یعنی قرآن کریم ہی تو آپ کا اخلاق تھا۔ اگر تمہیں اس معراج انسانیت کے احوال وکیفیات اور باطنی صفات مطلوب ہوں تو قرآن ہی کے اوراق میں انہیں تلاش کیجئے اس کی ایک ایک سطر ایک ایک حکم اور ہر ایک جملہ میں آپ کو اخلاق نبوی کا ایک گنج گرانمایہ مل جائے گا۔ اس کی ہر سورت ومنزل اور ہر آیت اور وقف میں اخلاق مصطفوی کا ایک روشن نشان ہے۔ جتنا بھی غور کرو گے مضامین قرآن سے حضورؐ کی زندگی اور سیرت اطہر سے قرآن کریم کی تعلیمات روشن سے روشن تر ہوتے جائیں گے۔ ع

این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

ان میں سے ایک صورت ہے تو دوسری سیرت ایک الفاظ ہیں تو دوسرا معنی ایک روح ہے تو دوسرا قالب، کسی ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا: انی اوتیت الکتاب ومثلہ معہ۔ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے مثل ایک اور چیز بھی، اور قرآن کریم ہی شہادت دیتا ہے۔ کہ یہ دوسری چیز حضورؐ کا عمل اور ان کی سنت مطہرہ ہی ہو سکتی ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ یہ اسوہ حسنہ جسے آپ بہترین نمونہ، سنت نبوی اور بے مثال آئیڈیل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان اخلاق عالیہ کے سوا اور کونسی چیز ہے جس نے حضورؐ کو خلق عظیم کے مقام پر سرفراز فرما دیا۔ انسانیت عالم بدو امر میں کبھی بھی اس شان بان سے جلوہ افگن نہیں ہوئی تھی جو رحمت عالمین کی شکل میں ہوئی اس لئے تو قرآن نے اوّل تا آخر اس اسوہ حسنہ کی اتباع وتقلید اور اس ذات قدسی صفات کی اتباع اور اطاعت کو انسانیت کی سرخروئی اور سرفرازی کا وسیلہ اور محبوبیت ربانی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اور فرمایا: قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین۔ اس نسخۂ جامعۂ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاکیزہ، جامع اور اکمل ومکمل اخلاق کی تفصیل ہو سکے تو کس سے ــــــ؟ چودہ سو سال کا عرصہ گذرنے کو ہے کہ حدیث وتفسیر، سیرت واخلاق اور دیگر علوم قرآن وسنت اور فقہ وتصوف کی شکل میں امت کے برگزیدہ افراد اپنی ظاہری ومعنوی قوتوں کے ساتھ اس کی شرح وبیان میں مصروف ہیں مگر حالت یہ ہے کہ ع ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم ـــــ

تاریخ کا عظیم ترین انقلاب | قرآن کریم اور تاریخ انسانی کے سب سے بڑے معلّم اور متمم مکارمِ اخلاق کی تعلیمات کی مسیحائی تھی جس کی بدولت روئے زمین پر صحابہ کرام کی شکل میں ایک ایسی مہذب اور شائستہ جماعت اور ایک متوازن معاشرہ نمودار ہوا جسکی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی، ان میں سے ہر ایک اخلاقِ فاضلۂ نبویؐ اور اعمال صالحۂ قرآنی کا ایک عملی پیکر تھا دن میں شہسوار رات کو عبادت گذار آپس میں شیر و شکر مگر دشمنی کیلئے برہنہ تلوار، اخلاق و کردار کی وہ کونسی خوبی ہے جو تمہیں ان کی پاکیزہ زندگی میں نہ مل سکے گی۔ تاریخ میں پہلی بار انسانیت کی سوکھی کھیتیاں لہلہا اٹھیں گلشن مجد و شرف میں بہار آئی، اخلاق و کردار کی تعمیر ہمدوشِ ثریا ہوئی ــــ

محمد الرسول الله والذین معہٗ
اشدّاء علی الکفار رحماءُ بینھمُ
تراھم رُکّعاً سجّداً یبتغون
فضلاً من الله ورضوانا سیماھم
فی وجوھھم من اثر السجود ذلك
مثلھم فی التوراۃ ومثلھم
فی الانجیل کزرع اخرج
شطأہٗ فآزرہ فاستغلظ
فاستوٰی علی سوقہٖ یعجب الزرّاع
لیغیظ بھم الکفار وعد الله الذین
آمنوا وعملوا الصالحت منھم
مغفرۃ واجراً عظیما۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ
ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ تو انہیں
دیکھے گا کہ رکوع و سجود کر رہے ہیں۔ اللہ کا فضل
اور اسکی خوشنودی چاہتے ہیں۔ ان کی شناخت
ان کے چہروں میں سجدہ کا نشان ہے۔ یہی وصف
ان کا تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف
ہے مثل اس کھیتی کے جس نے اپنی سوئی
پھر اسے قوی اور مضبوط کر دیا۔ پھر
موٹی ہو گئی پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہو گئی اور کسانوں
کو خوش کرنے لگی تاکہ اللہ ان کی وجہ سے کفار
کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان میں سے ایمانداروں
اور نیک کام کرنے والے کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم
کا وعدہ کیا ہے۔

....

تاریخ انسانی کا یہ عظیم ترین انقلاب قرآن کریم کی جامع حکیمانہ اور معتدل اخلاقی تعلیمات کا کرشمہ تھا اور اس بات کا ثبوت کہ وہ ہر قسم کے حالات اور ادوار اور مختلف طبائع کا سامنا کرنے اور اخلاق انسانی کی بہترین تعمیر کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ پس آج بھی بے چین و مضطرب انسانیت اور پریشان حال معاشرہ صرف اور صرف قرآن کریم کی اخلاقی تعلیمات ہی کے ذریعہ پاکیزہ زندگی اور پائدار عافیت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ ان تعلیمات کا اوّلین مطالبہ مسلمانوں ہی سے ہے کہ وہ

اس امانت ربانی کے حامل اور امین ہیں۔ دنیا کی دکھی اور مصیبت زدہ انسانیت کو حق ہے کہ اس فریضۂ تعمیرِ اخلاق و تہذیبِ انسانیت کی ادائیگی سے غفلت برتنے پر مسلمانوں کے خلاف استغاثہ کرے اور زبانِ حال سے شکوہ سنج ہو ؎

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی
صہبائے یقین درکش و از دیرِ گماں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر البریۃ متمم مکارم الاخلاق السنیۃ۔

پاکستان میں مسیحیت نے جس تیز رفتاری سے ترقی کی ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی طور پر کل آبادی ۳،۱۰،۶۰،۷۸۶ کروڑ تھی۔ ۱۹۶۱ء میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی طور پر کل آبادی ۳،۹۴،۴۴،۳۹۵ کروڑ ہو گئی۔ اس کے مقابل مسیحی آبادی ۱۹۵۱ء میں مغربی پاکستان کے اندر چار لاکھ تئیس ہزار سات سو چھ تھی، مسیحی آبادی ۱۹۶۱ء میں مغربی پاکستان کے اندر پانچ لاکھ تریاسی ہزار آٹھ سو چھیاسی ہو گئی ——— گویا دس سال کے عرصہ میں مغربی پاکستان کے اندر مجموعی آبادی ستائیس ۲۷ فی صد بڑھی۔ اس کے مقابل مسیحی آبادی میں ۳۵ فی صد کا اضافہ ہوا ——— دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ عام آبادی کے مقابل مسیحی تعداد میں آٹھ فی صد اضافہ ہوا ———

مسیحیت میں اس قدر اضافہ نسل و تناسل سے نہیں ہوا۔ بلکہ اسلام سے بے خبر نام نہاد مسلمانوں کے ارتداد اور پاکستان کی پسماندہ اقوام کے گمراہ کرنے کے ذریعہ ہوا ——— چنانچہ کینیڈا کے رومن کیتھولک مشن کے ترجمان رسالہ پراسپیکٹر نے اکتوبر ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں لکھا ہے :

"پاکستان میں چرچ کو اپنے تبلیغی مشن میں عظیم ترین کامیابی حاصل ہوئی ہے اور صرف گذشتہ ایک سال میں آٹھ ہزار مسلمانوں کو بپتسمہ دے کر عیسائی بنایا گیا ہے۔"

مسیحی ارتداد کا یہ سیلاب جس تیزی سے بڑھ رہا ہے اس کے پیشِ نظر اندیشہ ہے کہ جس خطۂ پاک کو اسلامیانِ ہند نے ہزاروں عزیز جانوں کی شہادت اور لاکھوں خاندانوں کی جلاوطنی کی قیمت دے کر حاصل کیا تھا۔ مسیحیت کے اندرونی اور بیرونی مشنوں کے ناپاک ارادے کہیں اسے دوسرا فلسطین نہ بنا دیں ——— بھارت کے نام نہاد لامذہبی حکومت نے برسوں پہلے اپنے ملک

میں بیرونی مشنوں پر پابندی لگا دی ہے۔ چونکہ یہ غیر ملکی ادارے بالعموم ملکی سالمیت کے لئے ایک خطرہ محسوس کئے گئے اور انہیں بیرونی حکومتوں کے جاسوس اڈے پایا گیا۔

اس مثال کو سامنے دکھ کر ہماری اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ بھی ان بیرونی مشنوں پر سخت پابندیاں عائد کرے اور اس مسئلہ کو قومی سطح پر حل کرے، چونکہ یہ صرف دینی معاملہ نہیں بلکہ مملکتی اور ریاستی مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ ملکی اداروں کیطرح ان مشنوں کے حسابات کی جانچ بھی کی جائے۔ ان کے حسابات آڈٹ ہوں۔ یہ معلوم کیا جائے کہ بھاری رقوم وہ کہاں سے اور کن ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔؟ اور کن جائز یا ناجائز مدات پر خرچ کرتے ہیں۔؟

عیسائیت کوئی تبلیغی دین نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ اس کی تعلیمات اور اسلام کی تعلیمات میں نور و ظلمت کا فرق ہے۔ اور جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے فرمانِ خداوندی کے مطابق عیسائیت کے قدم اسلام کے سامنے جمنے نہیں چاہئیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عیسائیوں کی تبلیغ اور مسلمانوں کی تبلیغ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عیسائیوں کی تبلیغ کو تبلیغ کہنا ہی تبلیغ جیسے اعلیٰ لفظ کی توہین ہے۔ کیونکہ تبلیغ کہتے ہیں حکمی و عقلی دلائل سے کسی کو قائل کر کے اپنا ہم عقیدہ و ہم مسلک بنانے کو۔ لیکن ان کے دامنِ استدلال میں ایسے دلائل ہی نہیں، اس لئے وہ دوسرے حربے استعمال کرتے ہیں، جنہیں ہم تبلیغ کی بجائے اغوا کے لفظ سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ چونکہ اغوا میں ذہنِ انسانی کو نہیں بلکہ نفسِ انسانی کو دعوت دی جاتی ہے۔ دلائل کا نہیں بلکہ ترغیب و تحریص کا سہارا لیا جاتا ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے ہر طرز و طریق کے اندر یہی اصول کارفرما ہوتا ہے۔

اغوا کا یہ کام بہت منظم طریقہ سے غیر ملکی سفارت خانوں کی سرپرستی اور عیسائی مملکتوں کی امداد پر کیا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک دس سال کے عرصہ میں بیرونی مشنری تنظیموں نے پاک و ہند میں دو ارب روپیہ خرچ کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ دو ارب روپیہ پاکستان میں کہاں سے، کن ذرائع سے اور کیونکر آیا۔؟ کن ایجنسیوں نے مشنوں کو دیا اور کہاں سے دیا۔؟

مالی امداد کا پہلا حربہ | مالی امداد مسیحی مشن کا پہلا اور بڑا کامیاب حربہ ہے۔ معاشی طور پر پاکستان کے پست حال عوام مہنگائی اور بے کاری سے اکثر پریشان رہتے ہیں۔ عیسائی مشنری

ان کی ان پریشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کے بمصداق یہ فریضہ مسلم عوام وخواص کا تھا۔

مسیحی مشن مختلف طریقوں سے مالی امداد کی صورتیں نکالتے ہیں۔ جب کہ اس سے ان کا اصل مقصد مسیحیت کی اشاعت اور اسلام سے ارتداد ہوتا ہے۔ مثلاً :۔

الف ــــ سادہ لوح، اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ عوام کو خشک دودھ، گھی کے ڈبوں اور پرانے کوٹوں کا لالچ دے کر اسلام سے مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گرجوں میں اور مشن کمپاؤنڈ میں اتوار کے دن، کرسمس کے دنوں میں دوسرے تہواروں اور دیگر مناسب موقعوں پر یہ چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ حد یہ ہے کہ برقعہ پوش پردہ نشین خواتین بھی ان حقیر چیزوں کے لئے گرجا گھروں میں پہروں کھڑی رہتی ہیں۔ ان چیزوں کی تقسیم کے وقت عیسائی لوگ اپنا مقصد برابر پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے گھروں میں پہنچ کر بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ سادہ لوح غریب لوگ ان کے گزشتہ احسانات اور آئندہ کی توقعات کے پیشِ نظر ان کی باتوں میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور ایک نہ ایک دن یہ مکھی مکڑی کی دعوت پر جال میں گرفتار ہوجاتی ہے۔

ب ــــ لوگوں سے ملازمتوں کے وعدے کئے جاتے ہیں۔ اس طرح بیکاری اور بے روزگاری کے نندکاروں کو عیسائیت کے پھندے میں پھانس لیتے ہیں۔ کیونکہ حکومت کے اہل کار اور افسران اعلیٰ زیادہ تر مشنری سکولوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جس دفتر کے متعلق کام ہوتا ہے مشن والے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے ان مسلمان حکام سے اپنا کام نکال لیتے ہیں اور اسطرح ضرورتمندوں کو رام کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

ج ــــ نئے ہونے والے عیسائی کو پانچ روپے فی بچّہ کے حساب سے مشن سے وظیفہ ملتا ہے۔ جس کے جتنے زیادہ بچّے ہوں اتنے ہی زیادہ وظیفے کا مستحق ہوتا ہے۔

د ــــ عیسائی بچّوں کو مفت کتابیں، فیسوں کی عام معافی اور ہر بچّے کو پندرہ روپے ماہوار سکول میں اور پچیس روپے ماہوار کالج میں وظیفہ ملتا ہے۔

ھ ــــ نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونی ممالک میں اپنے خرچ پر بھیجنے کی پیش کش کی جاتی ہے۔ جس شخص پر اتنا احسان کیا جائے اور اتنا مال خرچ کیا جائے وہ کبھی ان کی کسی بات کا انکار نہیں کرسکتا اور وہ آسانی سے ان کا شکار ہوجاتا ہے۔ بیرونی تہذیب کا رنگ اس کو دو آتشہ بنا دیتا ہے۔ عام طور پر ایسے نوجوانوں کی شادی بھی عیسائی خاندان میں ہوجاتی ہے۔ اس طرح ایک نئے

عیسائی خاندان کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

و ــــ لوگوں کی بیکاری سے فائدہ اٹھا کر مسیحی مشن یہاں تک بھی کرتے ہیں کہ جو مسلمان نوجوان مڈل یا میٹرک کر کے بیکار رہتے ہیں۔ انہیں مسیحی سالویشن ٹریننگ کالج میں داخلہ کی پیش کش کی جاتی ہے۔ اس کے دوران وظیفہ دیا جاتا ہے۔ وہاں انہیں بائیبل پڑھائی جاتی ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کی تربیت دی جاتی ہے۔ کورس پورا ہونے پر ان کی معقول تنخواہیں لگا دی جاتی ہیں اور انہیں دیہات قصبات میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ کس قدر ستم ہے کہ خود مسلمان سے اسلام دشمنی کا کام لیا جا رہا ہے۔

ز ــــ یہ مالی امدادیں اعلیٰ پیمانے پر کرسچین ریلیف کمیٹیوں کی معرفت عوام تک پہنچائی جاتی ہیں اور اسطرح مسیحی مشن ایک طرف تو لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر لیتے ہیں۔ اور دوسری طرف حکومت کو بھی زیر بار احسان کر لیتے ہیں۔ مزید برآں اسطرح انہیں حکومت کا تعاون بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عیسائیت کی تبلیغ کے لئے میدان بھی ہموار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ہارٹ فورڈ (امریکہ) کے مشہور مسیحی رسالے "مسلم ورلڈ" نے ۱۹۵۸ء کے شمارہ میں لکھا ہے:

"ایک حقیقت بالکل واضح اور نمایاں ہے کہ مسلمانوں کا امن و سکون اس طرح غارت ہو چکا ہے۔ کہ جسکی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ آج عیسائیوں کیطرف سے دوستی کا اظہار مسلم افراد پہلے کی بہ نسبت زیادہ خوشی سے قبول کر رہے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹ چکے ہیں۔ وہ افراتفری کا شکار ہیں اور اپنی ضرورت اور احتیاج کو پہچاننے لگے ہیں۔ مسیحی اعانت مواسات اور ہدایت کے لئے اس سے عظیم تر موقع پہلے کبھی میسّر نہیں آیا۔ لاہور میں مغربی پاکستان کے لئے کرسچن ریلیف کمیٹی قائم ہو چکی ہے۔ حکومت پاکستان "امدادی مہم" کے دوران چرچ ورلڈ سروس کا برابر ہاتھ بٹا رہی ہے۔ ہمارے نمائندے پاکستان سے برابر اطلاعات پہنچا رہے ہیں کہ سرکاری حکام کیطرف سے انہیں دل کھول کر تعاون اور سہولتیں حاصل ہو رہی ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ:

یہ سرخ صلیبیں سوغاتیں	یہ امدادیں یہ خیراتیں
یہ سودا دین و ایمان کا	یہ "ایڈ" نہیں "بیعانہ" ہے

دوسرا حربہ مشن سکول کالج | جو قوم دنیا میں علم و عرفان کا پیغام لے کر آگے بڑھی تھی اور

جس ملت نے یورپ کے ظلمت کدوں کو علم کی شمع سے منور کیا تھا۔ آج اس قوم کو پاکستان میں علم سکھانے کے لئے مشن سکول کالج قائم کئے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کا مقصود علم کی اشاعت نہیں بلکہ اس ذریعہ سے مسیحیت کی ترویج ہے۔ یورپین ٹائپ مشن سکولوں کی تعداد قیام پاکستان کے بعد دن بدن بڑھ رہی ہے۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی نے اس نوع کے سکولوں اور کالجوں کے باب میں کہا تھا ؎

یوں قتل سے بچوں کے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

یہ ایک یقینی امر ہے کہ بچہ ماحول سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے اور استاد کے سامنے بچے کی لوحِ قلب وا ہوتی ہے، اس پر جو نقوش وہ چاہے کندہ کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ماحول عیسائی ہو استاد عیسائی ہوں اور نصاب تعلیم میں عیسائیت کو مرکزی مقام حاصل ہو تو کیوں نہ بچہ سیرت وصورت کے اعتبار سے پورا عیسائی بن کر نکلے گا۔ ان سکولوں میں کلی طور پر اسلامی تعلیمات سے بچے کو ناآشنا رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے لاشعور پر عیسائیت کا ایسا سکہ بٹھا دیا جاتا ہے کہ اسے عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام کی ہر چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ مسلمان علماء کا کردار ایسے گھناؤنے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ وہ علماء کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اور پادری خواہ کتنے ہی بد خلق کیوں نہ ہوں اس کے واسطے وہ بڑے پاکیزہ اور مقدس ہوتے ہیں اور وہ انہیں فادر (والدِ محترم) کہتا ہے اور ان کے سامنے ادب سے جھک جاتا ہے۔

امراء طبقہ کے اندر پہلے ہی دین برائے نام ہوتا ہے۔ اس پر جب متعصب عیسائی استاد کا اثر ہوتا ہے۔ تو رہی سہی دینی رمق بھی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خود مجھے ایک سکول کا واقعہ معلوم ہے جہاں ایک لڑکے نے تاریخ کی کتاب میں ابوبکر صدیقؓ کا نام پڑھا تو ساتھ ہی رضی اللہ عنہ کہہ دیا۔ اس پر عیسائی استاد بچے پر بہت برہم ہوا اور اس کو خوب ڈانٹا۔ اس ڈانٹ کا اثر جو بچوں پر پڑا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ افسوس ہمارے مسلمان امراء ان سکولوں کی ظاہری حسن وجاذبیت، بچوں کی بھڑکیلی پوشاک اور انگریزی بول چال سے متاثر ہو کر پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کے بچے ان سکولوں میں داخل ہو جائیں۔ خواہ انہیں کتنی ہی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ یہ بچے ایمان سوز سکولوں سے عیسائیت کے سانچے میں ڈھل کر نکلتے ہیں۔

اس طرح ملک وملت کے اکثر کلیدی مقامات پر وہ طبقہ مسلط ہو جاتا ہے جو عیسائیت

سے تحت الشعور میں مرعوبیت کا شکار ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے طبقہ سے اسلام کی خدمت کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ عیسائی نواز رہتا ہے۔ اور مشنریوں کا آلۂ کار بنا رہتا ہے۔ جسے وہ برابر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

تیسرا حربہ مسیحی ہسپتال | مسیحیت کی اشاعت کا ایک اور کامیاب ذریعہ مسیحی ہسپتال اور شفاخانے ہیں۔ کاش مسلمان امراء اور دولتمند افراد اس کام کو ملی فریضہ سمجھ کر خود اپنے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے نیک دل سادہ لوح عوام کے جسم و روح کا ٹھیکہ مشنریوں کو نہ دیتے۔ حال ہی میں کراچی کے ایک مسلمان تاجر نے ایک لاکھ اکیس ہزار روپیہ کی گراں قدر رقم ایک مسیحی گشتی شفاخانے کو دی۔ کیا وہ خود یا کوئی اسلامی ادارہ اس کام کے اہل نہ تھا۔؟ جب کہ ان کے ہسپتال اور شفاخانے ہر جگہ بالواسطہ مسیحیت کی ترویج کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔

مشنری ہسپتالوں میں عام طور پر روزانہ علی الصبح بائیبل کا درس دیا جاتا ہے ۔۔۔ پادری صاحب اپنی مخصوص ہیئت میں دعا کے لئے آتے ہیں ۔۔۔ ہر مریض کو مطالعہ کے لئے بائیبل دی جاتی ہے۔ مسیحیت کا لٹریچر خاموش مطالعہ کے لئے مہیا کیا جاتا ہے ۔۔۔ مریض کے ساتھ نہایت ہمدردانہ رویّہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ (خواہ یہ سب کچھ بھاری بھرکم فیس وصول کرنے اور ظاہرداری کے لئے کیا جاتا ہو) لیکن بہرحال ان سب باتوں کا مریض پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

مریض اپنی بیماری کے سبب ضعیف الاعتقاد ہوتا ہے۔ ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسیحی مشنری ان احوال سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہمارے کروڑپتی اور لکھ پتی امراء کو ہسپتال قائم کرنے کی توفیق کیوں نہیں۔؟ ہمارے ڈاکٹر اور طبیب ہمدردی کا رویّہ کیوں اختیار نہیں کرتے ؟ ہمارے سرکاری اور غیر سرکاری ہسپتال اپنا فرض کیوں نہیں پہچانتے۔؟

ایک مشن ہسپتال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ڈاکٹر وارڈ میں آکر مریضوں کو بڑی تسلی دیتا ہے۔ محبت اور اخلاق سے پیش آتا ہے۔ پھر کہتا ہے تم مسلمان ہو تو اپنے نبی حضرت محمدؐ کا نام لے کر دوائی پی لو آرام ہو جائے گا۔ دوسرے دن مریض سے پوچھتا ہے کہ آرام ہوا یا نہیں۔ مریض نفی میں جواب دیتا ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی نبی سمجھتے ہو۔ ان کا نام لے کر دوائی پیو۔ تم حضرت عیسیٰؑ کے معجزوں کے قائل ہو۔؟ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ بیماروں کو صحت یاب کیا کرتے تھے۔ آج ان کا نام لیکر دوائی پیو۔ مریض دوائی پیتا ہے۔ تو کافی افاقہ ہوتا ہے۔ اصل میں پہلے دن دوائی

نہیں تھی، بلکہ دوائی کا رنگ تھا اور دوسرے دن اصل دوائی دی گئی۔ اس طرح غیر شعوری طور پر اس کے دل پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مقابلے میں حضرت عیسیٰؑ کا مقام بلند کیا جاتا ہے۔ کس قدر گہری چال ہے۔

گلی کوچوں اور گھروں میں تبلیغ | ا ــــ مسیحی مشن کا ایک مستقل شعبہ سالویشن آرمی (ملکی فوج) کا ہے۔ مسیحیت کے یہ سپاہی مسلمانوں کے محلوں میں گلی کوچوں اور بازاروں میں گشت کرتے ہیں۔ ڈھول تاشہ بجا کر مجمع اکٹھا کرتے ہیں۔ مشنری مرد اور عورتیں سر تال کے ساتھ تبلیغی گیت گاتے ہیں۔ اس طرح عوام کو بائیبل کا سبق اور مسیحیت کا درس دیتے ہیں۔

ب ــــ لاہور اور دوسرے شہروں میں ایک مسیحی مشن کیطرف سے مسیحی مبلغ لیڈیاں مسلمان گھرانوں میں جاتی ہیں۔ بالعموم یہ ان اوقات میں گھروں میں پہنچتی ہیں۔ جب مرد گھر پر نہ ہوں اور دلجمعی کے ساتھ سیدھی سادھی عورتوں کو مسیحیت کا پرچار کیا جا سکے۔ پردہ نشین مسلمان خواتین ان میموں سے مرعوب ہو جاتی ہیں۔ غور سے ان کی باتیں سنتی ہیں، ان کا لٹریچر خریدتی ہیں اور اپنے مذہب کے بارے میں شک وشبہ میں گرفتار ہو کر ان کی تبلیغ کا شکار ہو جاتی ہیں۔

یہ ہے ہماری روا داری، اقلیت نوازی۔ اسلام سے غفلت۔ دین سے بے خبری اور تبلیغ اسلام سے روگردانی کی سزا۔

پانچواں حربہ دستاویزی فلمیں | فلم دیکھنے کا شوق جو مسلمان میں پیدا ہو چکا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گرجا گھروں میں فلم دکھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ غریب طبقہ کے لوگ فلم کے لالچ میں گرجا پہنچ جاتے ہیں۔ ایک تو فلمیں منظم طور پر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ دوسرے فلم کے اختتام پر پادری لوگ باقاعدہ بائیبل کا درس دیتے ہیں۔

گرجوں کے علاوہ عام سینما گھروں میں جو انگلش فلمیں نمائش کی جا رہی ہیں۔ ان میں اکثر ایسی غیر ملکی فلمیں آ رہی ہیں جن کی بنیاد مسیحی تعلقات پر ہوتی ہے۔ جن میں جھوٹی سچی کہانیوں کے ذریعہ مسیحیت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ اور ہمارے عوام وخواص اپنی جیب سے ٹکٹ خرید کر وہ فلمیں دیکھتے ہیں۔ اور دوہرا عذاب مول لیتے ہیں۔

چھٹا حربہ تبلیغی لٹریچر | مسیحی مشن جس شدت کے ساتھ اور جس بھاری تعداد میں تبلیغی لٹریچر شائع کر رہے ہیں ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

ھ ــ پاک وہند کی ۳۶ زبانوں میں بائیبل کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ہمیں ان زبانوں کے نام بھی

نہیں آتے۔

• ہر سال بائیبل کے لاکھوں نسخے چھاپ کر کم سے کم اور برائے نام قیمت پر عوام میں تقسیم کرتے ہیں۔

• مختلف امتحانات میں کامیاب ہونے والوں کو بڑے اہتمام سے بائیبل کا حسین نسخہ مفت بھیجتے ہیں۔

• ہسپتالوں میں مریضوں کو مسافروں کو طلباء کو بائیبل اور مسیحی لٹریچر مہیا کرتے ہیں۔

• ان کے تبلیغی رسائل ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں چھپتے ہیں۔ مثلاً واچ ٹاور مشن کا پندرہ روزہ رسالہ "دی واچ ٹاور" دنیا کی ۶۶ زبانوں میں ۴۱ لاکھ کی تعداد میں چھپتا ہے۔ اس کا دوسرا رسالہ "دی اویک" دنیا کی ۲۵ زبانوں میں ۳۸ لاکھ شائع ہوتا ہے۔ اور صرف اس چھوٹی سی جماعت نے ایک سال دو ماہ میں بائیبل کی ۲۵ لاکھ جلدیں شائع کی ہیں۔ اندازہ کیجئے باقی سینکڑوں دوسرے مشنوں نے کس قدر اشاعتی کام کیا ہوگا۔؟

تبلیغ بذریعہ خط و کتابت | تبلیغ مسیحیت کا ایک اور جدید مؤثر حربہ شروع ہے۔ متعدد مسیحی مشن خط و کتابت کے ذریعہ اسباق کی صورت میں عوام کو مسیحیت کی تبلیغ و تدریس کر رہے ہیں۔ اخبارات میں دیدہ زیب اور پرکشش اشتہارات نکلتے ہیں کہ گھر بیٹھے بٹھائے علم حاصل کیجئے۔ بے خبر اشخاص خصوصاً نوجوان اور طلباء خط لکھ کر تفصیلات معلوم کرتے ہیں۔ جواب میں مشن سے چھپا ہوا بائیبل کا سبق آتا ہے۔ اس کے ساتھ امتحان کا پرچہ ہوتا ہے۔ پرچہ حل کر کے بھیج دیں تو دوسرا سبق مفت آجاتا ہے اور اس طرح باتوں باتوں میں بائیبل پڑھا دی جاتی ہے۔ اور امتحانی پرچوں کے ذریعہ اسباق ذہن نشین اور پختہ کروا دئے جاتے ہیں۔ کامیاب ہونے والوں کو انعام دیا جاتا ہے۔ یعنی بائیبل کی جلد۔

اوّل کسی کو اس حربہ کی خبر نہ ہوئی۔ ایک آدھ گوشہ سے کچھ اعتراض ہوئے تو مشن والوں نے بائیبل کے اسباق کے نام بدل دئے اور اعلان کی صورت یہ ہونے لگی کہ صحت کے بارے میں مفت اسباق حاصل کیجئے۔ چنانچہ تپدق کنسر وغیرہ کے نام سے سبق آتے ہیں۔ مگر ان میں مسیحیت کی تبلیغ ہوتی ہے — غور کیجئے کس کس راہ سے اور کس کس انداز سے ایک غیر تبلیغی مذہب کی تبلیغ ہو رہی ہے اور تبلیغی مذہب کے علم بردار کیسے خواب خرگوش میں مست ہیں۔

جنگِ آزادی کی ایک دلیر مجاہدہ

جناب اختر راہی

ماہ حریت کی داستان

تاریخ کے صفحات ایسی ہستیوں کے کارناموں سے منوّر ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں رہتے ہوئے ملک و قوم کی ایسی خدمت انجام دی کہ آنے والی نسلیں اُن کے کارناموں پر فخر کریں گی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں بھی ایسی بیسیوں ہستیاں موجود ہیں جن کے ولولہ انگیز کارنامے آج بھی خون کی گردش تیز کر دیتے ہیں۔ اور جذبات میں ہلچل مچا دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں یہ مقام صرف مردوں نے ہی حاصل نہیں کیا بلکہ عورتیں بھی جان کی بازی لگا کر قوم کی حفاظت کرتی ہیں۔ انہی روشن صفات ہستیوں میں جنگِ آزادی کی مجاہدہ حضرت محل بھی شامل ہیں۔

انیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں دربارِ لکھنو کا تصوّر کیجئے۔ ہر طرف عیش پرستی کا دور دورہ تھا۔ اکابرین تیغ و تفنگ کی بجائے مضراب و رباب سے دل بہلاتے تھے۔ رقص و سرود سے پیاس بجھاتے تھے۔ اور معاشرے کی رگ رگ میں آرام طلبی اور عیاشی کے جراثیم سرایت کر رہے تھے اور یہ تنزل واجد علی شاہ اختر کے دور میں آخری حدّوں کو چھو رہا تھا۔ اس کے برعکس ایسٹ انڈیا کمپنی ہوسِ ملک گیری میں انڈیا کے صوبوں کو یکے بعد دیگرے اپنی قلمرو میں شامل کرتی جا رہی تھی۔ لارڈ ولزلی کی سخت پالیسی کے مطابق دیسی ریاستوں کو کمپنی کے ماتحت کر دیا گیا۔ اس ضمن میں واجد علی شاہ اختر کو اسیر کر کے کلکتہ میں نظر بند کر دیا اور لکھنؤ میں ریذیڈنٹ بہادر کی حکومت قائم ہو گئی۔

ابتدائی حالات حضرت محل کے ابتدائی حالاتِ زندگی تاریکی میں ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ رجب ۱۲۶۱ھ (۱۵ دسمبر ۱۸۴۸ء) کو حضرت علیؓ کی محفل میلاد میں واجد علی شاہ کی نظر ایک سانولی لڑکی پر پڑی جسے "امراؤ" کہا جاتا تھا۔ واجد علی شاہ کو یہ نوخیز لڑکی پسند آئی اور "میک پری" کا نام دے کر رقص و سرود کی تعلیم کے لئے پری خانے میں شامل کر دیا۔

واجد علی شاہ نے اپنے دور میں ایک پری خانہ بنا رکھا تھا جس میں حسین و جمیل عورتوں کو رقص و سرود

کی تعلیم دی جاتی تھی - حرم واجد میں آنے کے بعد امراؤ بھی اسی رقص خانے میں زندگی کے دن گذارنے لگی - واجد علی شاہ کی بیوی تھی اور سات پردوں میں رہتی تھی - جو سواری نکلتی تو بند پالکی میں، اور محافظ دستے ساتھ ساتھ چلتے - بیرونی دنیا سے بے خبر زندگی کے دن گزار رہی تھی - کہ جنگ آزادی نے اس خاتون کے پوشیدہ جوہروں کو نمایاں کیا اور تاریکی میں آب حیات نکل آیا - انگریزوں نے واجد علی شاہ اختر کو گرفتار کر لیا تھا اور لکھنؤ کی فضا خاصی مکدر تھی - جب میرٹھ سے جنگ آزادی کے شعلے بھڑکے تو ان شعلوں نے لکھنؤ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا - اور اس نازک وقت میں قیادت کا سہرا حضرت محل کے سر رہا -

حضرت محل کے حالات زندگی میں کوئی ایسی نمایاں بات نہیں تھی جس کی بنا پر اسکی آئندہ زندگی کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاتی، معمولی ماحول میں پیدا ہوئی اور زمانے کی عام روش کے مطابق زندگی کے دن گزارتی ہوئی واجد علی کے حرم میں داخل ہوئی - زیادہ سے زیادہ اگر کہا جا سکتا ہے تو یہی کہ اللہ نے حسن ظاہری کا کچھ غیر معمولی حصہ عطا فرمایا ہوگا - جو پری خانے میں شمولیت کے لئے کافی تھا - لیکن ماحول پر نگاہ ڈالتے ہوئے یہ توقع عبث ہی تھی کہ کوئی عورت اس ماحول میں جنگ آزادی میں پروانہ وار کود پڑے گی اور ایسی مثال قائم کر جائے گی کہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی - کیا حرارت ایمانی ہوگی جو عیش و راحت کے میکدوں اور سرد خانوں میں بھی ٹھنڈی نہ ہو سکی - جب جنگ آزادی نے حالات پیدا کئے تو حضرت محل نے عورت ذات ہونے کے باوجود تمام ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا لیا اور بلندی کردار کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں کی ترغیبات کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور حقارت کی نظر سے رد کر دیا -

حضرت محل نے واجد علی شاہ کے حرم میں بارہ سال گذار دئے لیکن وہ درجہ اور مقام حاصل نہ کر سکی جو خاص محل اور دوسری بیگمات کو حاصل تھا - حضرت محل کے لئے دو ہزار روپیہ سالانہ مقرر تھا جب کہ خاص محل کے لئے پانچ ہزار اور بعض دوسری بیگمات کے لئے تین تین ہزار[۲] ——— مزید شہادت اس سے ملتی ہے کہ سفر کلکتہ میں چند بیگمات واجد علی شاہ کے ساتھ تھیں - لیکن حضرت محل لکھنؤ ہی میں رہیں -

جنگ آزادی میں حصہ | جب جنگ کے شعلوں نے لکھنؤ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، تو فوجی سپہ سالار اکٹھے ہو کر ملکۂ عہد کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ولی عہد مرزا دارا سطوت کی والدہ تھیں اور ولی عہد کو تخت پر بٹھانے کی پیشکش کی لیکن ملکہ نے نہایت یاس انگیز جواب دیا کہ سلطنت اودھ کے بانی نواب شجاع الدولہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکے تو بھلا ولی عہد دارا سطوت کیا کرے گا[۳]

امراء نے نوازم شاہی کے لئے تین لاکھ روپیہ مانگا اور ملکہ نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد امراء واجد علی شاہ کی دوسری بیگم خاص محل کے پاس مرزا نوشیرواں قدر کی تخت نشینی کے لئے گئے لیکن نواب خاص محل نے بھی انکار کر دیا آخر ان امراء کی نظر واجد علی شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے برجیس قدر اور اس کی والدہ حضرت محل پر پڑی (برجیس قدر کا اصلی نام رمضان علی تھا اور حضرت مہر کی تحقیق کے مطابق شعبان ۱۲۶۲ھ میں پیدا ہوا تھا۔) امراء حضرت محل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ملکہ سے مدعا بیان کیا۔ اس مجاہدہ نے کیا خوب جواب دیا کہ یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ میرا بیٹا اپنے باپ اور اپنے ملک کو دشمن کے چنگل سے چھڑائے۔ چنانچہ ۵ ر جولائی ۱۸۵۷ء کو شام کے وقت چھ بجے خاقانی قصر میں مرزا برجیس قدر کی تخت نشینی کی رسومات ادا کی گئیں۔ اس وقت مرزا برجیس قدر کی عمر دس سال اور کچھ ماہ تھی۔

راجا بے لال نصرت جنگ کا خیال تھا کہ فوج تو برجیس قدر کو منظور کرے گی لیکن یہ ضروری ہے کہ بیگمات کی رضامندی بھی حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ بیگمات کو جمع کیا گیا اور اُن کے سامنے برجیس قدر کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش کیا گیا لیکن کوئی بیگم بات نہ کرتی تھی۔ آخر خورد محل نے بیگمات کی طرف سے کہا کہ اگر برجیس قدر کی تخت نشینی کی توثیق بیگمات کریں تو ہو سکتا ہے کہ انگریز واجد علی شاہ سے بُرا سلوک کرے۔ اس لئے بیگمات کو برجیس قدر کی تخت نشینی میں ملوث نہ کیا جائے۔ اس پر نواب ممّو خان نے تجویز پیش کی کہ فوجی افسروں سے توثیق کرا لینے کے بعد بیگمات کی توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ چنانچہ فوجی افسروں اور عمائدین ہی نے برجیس قدر کو شاہ بنا دیا اور بیگمات تماشائی بنی رہیں۔

برجیس قدر کی صغر سنی کی بنا پر حضرت محل ایجنٹ مقرر ہوئیں اور نواب ممّو خان کو ناصر الدولہ کا خطاب دے کر نائب ریاست بنایا گیا حقیقت میں تمام امور حضرت محل کی منظوری ہی سے جاری ہوتے۔ شہر میں منادی کرا دی گئی خلق خدا کی، بادشاہ دہلی کا اور حکم مرزا برجیس قدر بہادر کا۔ تخت نشینی کے بعد اودھ کے تعلقہ داروں کو لکھا گیا جس کی عبارت یہ تھی :-

"باقی ماندگان ہیلی گارد کو قتل کر دو جو ان کو قتل کرے گا اس کا نصف علاقہ اُسے معاف ہو گا۔"

جنگ آزادی کی تحریک اس تیزی سے پھیلی کہ مولوی ذکاءاللہ کے الفاظ میں صرف گیارہ دنوں میں اودھ کے کسی ضلع میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے کوئی حاکم نہ تھا اور انگریزی عملداری خراب

معلوم ہوتی تھی۔

اور ایک انگریز سرہنری لارنس کے الفاظ ہیں :-

"سارے اضلاع ہماری حکومت سے نکل گئے ہیں اور حالات روز بروز بگڑتی جارہی ہے۔ تعلقہ دار مسلح ہو رہے ہیں۔ اور بعض نے دیہات پر قبضہ جمالیا ہے"۔

اس دور پر آشوب میں مدارس کا مرد قلندر احمد اللہ شاہ لکھنؤ وارد ہوا۔ (مفصل حالات پھر کبھی) تو حضرت محل اور ممو خان برجیس قدر کو لیکر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کہ برجیس قدر کو آپ کی سرپرستی میں دیتی ہوں۔ اور حضرت محل نے احمد اللہ شاہ کو اپنا مشیر خاص بنالیا۔

جنگ آزادی کوئی منظم جدوجہد تھی نہیں کہ پہلے ہی سے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہوتے، بلکہ اتفاقاً میرٹھ کے سپاہیوں نے بغاوت کر دی اور یہ بغاوت ملک گیر بنیادوں پر شروع ہوگئی، اس لئے اندرونی انتظامات ادھورے ہی رہے، اور مجاہدین جہادِ آزادی میں کود پڑے، لیکن ان تمام شہروں کی نسبت لکھنؤ کو زیادہ وقت ملا اور حضرت محل کی حکمت عملی اور ممّو خان کی دانشمندی سے شہر کا نظم و نسق بہتر ہوگیا۔ حالات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی فوج بیلی گارد (ریذیڈنسی) میں محصور ہوگئی تھی۔ سر ہنری لارنس جو انگریزی فوج کا مالک و مختار تھا۔ ۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کو زخمی ہوکر ملک راہ عدم ہوا۔ محصورین کی کمک ٹوٹ گئی تھی، اور بیلی گارد کو انگریزوں سے خالی کرانا کوئی جان لیوا کام نہ تھا، چنانچہ مولانا احمد اللہ شاہ مدارسی کی سپہ سالاری میں بیلی گارد پر حملہ ہوا، اور مجاہدین اس معرکہ میں خاصے کامیاب ہوئے اگرچہ اس جنگ میں مولانا احمد اللہ شاہ کا پاؤں زخمی ہوگیا۔

جنرل ہیوے لاک نے آخر جولائی میں کانپور کی فتح کے بعد لکھنؤ کی طرف پیش قدمی کی، لیکن پہلی منزل پر ہی لوٹ جانے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ۴ر اگست اور ۱۲ر اگست کو ہیوے لاک نے پھر پیش قدمی کی لیکن منہ کی کھائی۔ آخر کار ہیوے لاک کی جگہ آوٹرم مقرر ہوا۔ لیکن وہ بھی محصورین کی تعداد میں اضافے کا موجب ہی بنا۔ آخر سر کالن کیمبل نے پیش قدمی کی اور محصورین کو رہا کرانے کے بعد کانپور کا رخ کیا۔ آخر ۱۶ر فروری ۱۸۵۸ء میں دوبارہ پیش قدمی کی اور مارچ میں لکھنؤ تاراج ہوگیا۔

فوج کی دلدہی | مختلف لڑائیوں میں احمد اللہ شاہ اور فیروز شاہ نے جرأت عظیمہ دکھائی۔ حضرت محل برابر فوج کی حوصلہ افزائی کرتی رہی۔ جنرل بخت خان کی توپیں چھن گئیں اور رنجیدہ ہوا۔ حضرت محل کو معلوم ہوا تو فرمایا توپیں چھن جانے کا رنج نہ کرو، میں تمہیں اور دوں گی۔ ۲۳ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہیوے لاک اور آؤٹرم کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے راجہ مان سنگھ نے زبردست مقابلہ کیا۔

بے شمار گورے مارے گئے اور دو ہزار کے لگ بھگ راجہ کے سپاہی بھی کھپت رہے۔ اور حضرت محل نے یہ کہہ کر حوصلہ افزائی کی۔ "بعد فتح روپیہ اور جاگیر دے کر خوش کروں گی"[۵] اور خلعت، دوشالہ، رومال اور "خطاب فرزندی" سے سرفراز کیا۔

لکھنؤ کے حالات امید افزا تھے۔ اور کامرانی مجاہدین کے قدم لے رہی تھی، لیکن دہلی میں انگریزی فوجوں کا پلہ بھاری تھا۔ چنانچہ جنرل بخت خان (جو معرکۂ دہلی کے روح رواں تھے) لکھنؤ آ گئے۔ فیروز شاہ اور نانا راؤ بھی اسی مرکزِ مجاہدین میں آ جمع ہوئے اور معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔ مولوی ذکا اللہ کے الفاظ ہیں: "ستر اسی ہزار آدمی بہادری، استقلال اور ہوشیاری سے اپنے مستحکم مقام کو استوار کر رہے تھے جن کو قومی عزت اور مذہبی دیوانگی نے اس عالی حوصلہ عورت حضرت محل کے علم کے نیچے جمع کر دیا تھا۔"[۶]

آخر اپنوں کی غداری اور بے وفائی کے ہاتھوں لکھنؤ کا محاذ سرد پڑ گیا اور مجاہدین کی فوجیں پسپا ہونے لگیں۔ مہاراجہ بال کرشن جیسے لوگوں کی غداری کی وجہ سے شہر کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اور اس عالمِ افراتفری میں انگریزوں نے قیصر باغ پر بھرپور حملہ کر دیا۔ خان علی خان نے زبردست مقابلہ کیا لیکن گورے قیصر باغ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

"چمن پر نہرِ خون جاری تھی، ہر طرف لاشوں کا انبار تھا۔ گورے سمٹ کر سنگین بارہ دری میں ہو رہے تھے۔ پیچھے سے جنگ بہادر کی فوج نے آ کر باڑھ ماری سینکڑوں گر پڑے۔ آخر سب بھاگے۔ خان بھی زخمی ہو گئے۔"[۹]

آخر ۱۴ مارچ کو یہ مجاہدہ دوسری بیگمات اور شاگرد پیشہ عورتوں کے ساتھ اپنے ملازمین کے کوٹھوں پر سے ہوتی ہوئی گھسیاری منڈی کے پھاٹک سے شہر سے باہر نکلی اور دو راتیں مختلف مکانوں میں گزارنے کے بعد لکھنؤ کو الوداع کہا۔ چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۸۵۸ء کو بہ جبیں قدر کے رتھ پینس میں سوار ہوئیں کچھ اثاثہ ساتھ لیا اور سواری موسےٰ باغ کے ناکے سے نکلی کسی نے تاریخ کہی:

مرزا رمضان علی ناکام | شد جانب کوہ سبک تازہ
تاریخ روانگی چو جستم | "نیپال شتافت" آمد آوازہ

رات بھر کے سفر کے بعد بھراؤں پہنچی، وہاں کے زمیندار راجا مردن سنگھ نے طوطا چشمی کی اور گستاخانہ پیش آیا۔ لیکن راہِ عزیمت کی مجاہدہ کے لئے یہ درشت کلامی اور نامناسب برتاؤ چنداں حوصلہ شکن ثابت نہ ہوا۔ سفر جاری رہا اور محمود آباد اور بسواں بازی ہوتی ہوئی خیر آباد پہنچی،

باقی ص ۳۳ پر

تعارف و تبصرہ

معارف القرآن

مصنف : مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب ۔ دار الارشاد ۔ کیمبل پور
صفحات ۳۱۰
قیمت درج نہیں

پیش نظر کتاب حضرت قاضی صاحب کی مشہور تصنیف کا تیسرا ایڈیشن ہے جسے بیش قیمت اضافوں کے بعد شائع کیا گیا ہے ۔ قرآنی مطالب اور معارف کیلئے جن قواعد و ضوابط اور علوم کی ضرورت ہے متقدمین اور متاخرین نے ان پر بیش قیمت کتابیں لکھی ہیں حضرت قاضی صاحب نے جن کا علوم و معارف قرآنیہ سے خاص شغف ہے ، اردو زبان میں اس ضرورت کو باحسن طریقہ پورا فرمادیا اور ایسے بیشمار فوائد اور لطائف کو اس کتاب میں سمیٹ دیا ہے ۔ جو قرآن فہمی کیلئے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں ۔ خاص طور سے تفسیر ، تاویل اور تحریف کی حقیقت سے بحث کرتے ہوئے موجودہ دور کے کئی تحریفی اور اجتہادی فتنوں کی بھی نقاب کشائی فرمائی ہے ۔ اہل علم اور قرآن فہمی کے شائق حضرات کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے ۔ اجلّہ علماء اور اکابر نے فاضل مصنّف کی اس سعی کو شاندار الفاظ میں سراہا ہے اور بلا شبہ مولّف کی اس عرقریزی محنت اور تحقیق و تجسس کی جتنی بھی تحسین ہو کم ہے ۔

تنقید متین
بر تفسیر نعیم الدین

مولانا ابو زاہد محمد سرفراز خاں صاحب
صفحات : ۲۲۴ ——————— قیمت ۲/۵۰ روپے
ملنے کا پتہ :۔ ماسٹر اللہ دین انجمن اسلامیہ ۔ گکھڑ منڈی ـــ گوجرانوالہ

حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب کا قلم سنت کی اشاعت و مدافعت اور علمی و تحقیقی کاموں میں ہمیشہ رواں دواں رہتا ہے ۔ تنقید متین میں مولانا موصوف نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمہ قرآن کریم اور ان کے شاگرد خاص مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر کے بعض مقامات پر مدلّل علمی انداز میں تنقید کی ہے ۔ اور واضح کیا ہے ۔ کہ اس ترجمہ و تفسیر میں بیشمار باتیں مسلک اہل سنّت سے خلاف اور قرآن و حدیث اجماع امت اور ائمہ دین و اکابر اسلام کی تصریحات سے ہٹی ہوئی ہیں ۔ مصنف کا انداز تحقیقی اور ناصحانہ ہے ۔ اس لئے علم و تحقیق کے میدان میں خفگی اور جذبات کی بجائے فریق ثانی کو بھی علمی انداز اور متانت سے کام لینا مناسب ہے ۔ مصنف کی یہ کتاب ترجمہ اور تفسیر مذکورہ کی تمام اغلاط کا تعاقب نہیں ۔ بلکہ الاھم فالاھم کی بناء پر اہم خامیوں

پر تنقید ہے۔ قرآن کریم کے سلسلہ میں کوئی معمولی سے معمولی قابل تنقید چیز بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اہل علم اور صاحب ذوق حضرات اگر جذبۂ حق کوشی کی بنا پر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو انہیں محسوس ہوگا کہ حقیقت اور دلائل کا فیصلہ مصنف کے حق میں جا رہا ہے۔

قصص الاکابر لحصص الاصاغر

از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ صفحات ۱۳۶۔ قیمت ۳/۵۰
پتہ :۔ کتب خانہ جمیلی۔ ۵ گولڈنگ روڈ۔ لاہور

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مواعظ اور ملفوظات میں پچھلے قریبی دور کے بعض بلند پایہ اور جلیل القدر بزرگوں گنگوہ اور تھانہ بھون کے مشائخ خانوادۂ ولی اللّٰہیؒ اور اکابر دیوبند کے بعض روح پرور اور موثر واقعات کا ذکر آیا کرتا تھا۔ اور ایسے واقعات اپنے اندر عبرت و نصیحت کے ہزارہا پہلو رکھتے ہوئے ہوتے۔ ایسے بزرگوں کے احوال اور حکیم الامت کی زبان پھر اسکی رقت آفرینی اور تاثر کے کیا کہنے۔ حضرتؒ کی زندگی میں بعض خدام نے اس قسم کی حکایات اور واقعات کو قصص الاکابر کے نام سے یکجا کیا تھا۔ اس وقت ہمارے سامنے اس کا تازہ ایڈیشن حسین و جمیل پیکر طباعت میں جلوہ فگن ہے، جسے لاہور کے مکتبہ امداد العلوم نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا ہے۔ اصلاً ان حکایات کی حیثیت تاریخ و وقائع کی نہیں ہے۔ بلکہ تزکیۂ نفس اور موعظت کے مقصد سے بیان ہوتے ہیں اس لئے انہیں روایت و درایت کے اصول پر نہیں بلکہ جذبہ اور مقصد (جو اصلاح خلق و تزکیہ نفوس ہے) کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ دین اور علم سے تعلق رکھنے والے بزرگوں اور اصلاح و صلاح کے طالبین کو ان بزرگوں کے انفاس و احوال میں رشد و ہدایت اور تعمیر اخلاق و تہذیب نفس کے صدہا پہلو ملیں گے۔ مکتبہ امداد العلوم کی اکثر مطبوعات معنوی اور ظاہری خوبیوں کی حامل ہیں۔ خدا اس مکتبہ کو بیش از بیش جوش اور ولولہ دے۔